رجب المرجب
علم کا ذوق، عمل کا شوق بڑھانے والا بچوں کا رسالہ
فروری 2022

ماہ نامہ

# ذوق و شوق

کراچی

## عنوان بتائیے، انعام پائیے

بسم اللہ الرحمن الرحیم


Jamia-Uloom-Islamiyyah
(University of Islamic Sciences)
Allama Muhammad Yousuf Banuri Town
Karachi - Pakistan.

جامعۃ العلوم الاسلامیۃ
علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن
کراچی ۷۴۸۰۰ - پاکستان


Ref. No. _____

Date. _____

باسمہ تعالیٰ

از: حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر صاحب دامت برکاتہم
محترم اساتذہ کرام، ائمہ مساجد، ذمہ داران مدارس ومکاتب اور پرنسپل حضرات

## طلبہ وطالبات کی تربیت کے لیے چند گزارشات

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بچوں کی اچھی تعلیم وتربیت ہمارا اسلامی وقومی فریضہ ہے۔ بچے ملک وقوم کے معمار اور معاشرے کا حسن ہوتے ہیں۔

اگر انھیں صحیح تعلیم وتربیت دی جائے تو اس سے ایک مضبوط اور مثالی معاشرہ وجود میں آتا ہے۔ کیوں کہ انھی بچوں میں سے پڑھ لکھ کر کوئی ڈاکٹر بنتا ہے، کوئی انجینئر، کوئی عالم دین، کوئی افسر، کوئی تاجر، کوئی قانون دان، کوئی سیاست دان تو کوئی صحافی، الغرض زندگی کے مختلف شعبوں سے وابستہ ہوکر وہ ملک وقوم کی خدمت میں حصہ لیتے ہیں۔

بچوں کی تعلیمی وتربیتی ترقی کے لیے آپ ۴ کام پابندی سے فرمائیں تو ایک کام یاب معاشرے کے وجود میں آپ کا ضرور حصہ ہوگا:

۱۔ آپ بچوں کے لیے خوب دعائیں مانگیں، ان پر خوب محنت کریں، ان کے بول چال پر نظر رکھیں۔ سچائی، امانت داری، ایثار، والدین کی اطاعت، بڑوں کا ادب، پڑوسیوں کا خیال، چھوٹوں پر شفقت اور ہر کام کو محنت ولگن سے صحیح طریقے سے کرنے کا بار بار درس دیں۔ یہ صفات بچوں کی زندگی میں آجائیں اس کے لیے "تربیتی نصاب" کے نام سے ایک نصاب تیار کیا گیا ہے۔

۲۔ بچوں کی ذہنی صلاحیت کو مدنظر رکھتے ہوئے انبیائے کرام علیہم السلام، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، تابعین وتبع تابعین رحمہم اللہ اور بزرگان دین کے حالات اور واقعات کو مختلف مثالوں اور کہانیوں کے ذریعے ان کے سامنے بیان کریں۔ ساتھ ہی عملی پہلوؤں کی الگ سے نشان دہی بھی کریں۔ اس کے علاوہ "صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے واقعات" اور "تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ کے واقعات" نامی کتابوں سے بچوں کو پڑھ کر سنائیں اور ان کو مطالعہ کرنے کی ترغیب دیں۔

۳۔ بچوں کو اردو زبان میں اچھے مواد پر مشتمل دینی رسائل وجرائد کے پڑھنے اور ان میں لکھنے کا عادی بنائیں۔ جس سے انھیں زبان وبیان کے ساتھ عمدہ تحریر پر قدرت حاصل ہوگی۔ پھر جب وہ عملی میدان میں جائیں گے تو آنے والی نسلوں کے سامنے اپنی بات اچھے انداز میں پیش کرسکیں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

الحمد للہ! اسی سوچ کو سامنے رکھتے ہوئے "جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن" "وفاق المدارس العربیہ پاکستان" کے فضلاء اور "اسکولوں کے اساتذہ کرام" کی زیر نگرانی بچوں کا ماہ نامہ "ذوق وشوق" شائع ہورہا ہے۔ ماشاء اللہ لاقوۃ الا باللہ جس میں بچوں کو اساتذہ کرام اور والدین کے ادب، اسکول ومدرسے کی پابندی، پان گٹکا اور بری صحبت سے بچنے کی ترغیب دی جاتی ہے۔ میں اسے اللہ تعالیٰ کا خاص فضل سمجھتے ہوئے شکر بھی ادا کرتا ہوں۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي بِنِعْمَتِهِ تَتِمُّ الصَّالِحَاتُ

۴۔ اسکولوں میں بچوں کی تربیت کے لیے "پانچ منٹ کا مدرسہ" ایک کتاب تیار کی جارہی ہے۔ اگر اسمبلی میں روزانہ ۵ منٹ بچوں کو کتاب پڑھ کر سنا دی جائے تو بہت فائدہ ہوگا۔ ائمہ مساجد اور بنات کے مدارس کے مہتممین سے بھی یہی گزارش ہے کہ وہ اس کتاب کو طالبات اور مقتدیوں کو بعد فجر یا عصر مناسب ہو تو سنائیں۔

آپ حضرات سے گزارش ہے کہ خود بھی اس کا مطالعہ کریں اور اپنے گھر، خاندان، اسکول، مکاتب اور مدارس کے بچوں کو اس کے پڑھنے کی خوب ترغیب دیں۔ تاکہ ہماری نسل کتاب دوست بنے۔ مساجد سے ملحق چھوٹی سی لائبریری بنائیں، نوجوانوں کو مطالعے کا شوق دلوائیں۔

میں امید کرتا ہوں کہ آپ میری اس گزارش پر عمل کرکے معاشرے کی اصلاح میں اپنا کردار ضرور ادا کریں گے۔

اللہ تعالیٰ آپ حضرات کی قدم قدم پر مدد فرمائے اور آپ حضرات کو ہمیشہ سرسبز وشاداب رکھے۔ آمین

والسلام

عبدالرزاق اسکندر

۱۴۴۰/۱/۲


P.O. Box: 3465 Karachi Code No. 74800, Phone: (0092-21) - 34913570 - 34912683 - 34915966 - 34123366 - 34121152
Fax: (0092-21) - 34919531, Karachi Pakistan. URL: www.banuri.edu.pk , E-mail: info@banuri.edu.pk

# پیغامِ الٰہی جل جلالہ

عبداللہ بن مسعود

(مفہوم آیت، سورہ مائدہ: 27)

''اور (اے پیغمبر!) انھیں آدم کے دو بیٹوں کا واقعہ ٹھیک ٹھیک سنایئے۔''

عزیز ساتھیو! قصہ یہ ہے کہ دو بھائی تھے، ہابیل اور قابیل۔ دونوں کے درمیان کسی معاملے میں اختلاف ہوا تو اُن کے والد حضرت آدم علیہ السلام نے یہ فیصلہ فرمایا کہ دونوں اللہ تعالیٰ کے حضور قربانی پیش کریں۔ جس کی قربانی قبول ہوگئی اُس کا دعویٰ برحق سمجھا جائے گا۔ ہابیل کے پاس بھیڑ بکریاں تھیں۔ اُس نے ایک عمدہ دنبے کی قربانی کی۔ قابیل کاشت کار آدمی تھا۔ اُس نے کچھ غلہ، گندم وغیرہ پیش کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ہابیل کی قربانی قبول فرمالی۔ قابیل یہ دیکھ کر آتشِ حسد میں جلنے لگا اور ہابیل کو دھمکی دی کہ میں تمھیں قتل کردوں گا۔ ہابیل نے غصے کی بات کا جواب غصے سے دینے کے بجائے ایک بہت اہم بات کہی کہ اللہ تعالیٰ تو اُس کے عمل کو قبول فرماتا ہے جو تقویٰ اختیار کرتا ہے اور اُس کی نافرمانی سے ڈرتا ہے، یعنی اگر تم تقویٰ اختیار کرتے، نافرمانی سے ڈرتے تو تمھاری قربانی بھی قبول ہوتی۔ تم نے ایسا نہیں کیا تو قربانی قبول نہیں ہوئی۔ اس میں میرا کیا قصور؟ اب اس کے باوجود بھی اگر تم مجھ پر ظلم کرنا چاہو گے تو میں تو تم پر ظلم نہیں کروں گا، کیوں کہ میں تو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے اس کی سزا دے گا، لیکن قابیل کی سمجھ میں یہ بات نہیں آئی اور وہ اپنے نفس کی بات پر عمل کرتے ہوئے اپنے بھائی پر ظلم کر بیٹھا، جس کی وجہ سے اُسے ندامت، پشیمانی اور بڑے نقصان کا سامنا کرنا پڑا۔

عزیز ساتھیو! یہ قصہ ہمیں سکھا رہا ہے کہ

۱۔ کبھی کسی سے حسد نہیں کرنا چاہیے۔ کسی کے پاس اللہ تعالیٰ کی کوئی نعمت دیکھیں جو ہمارے پاس نہیں تو اُس سے حسد کرنے کے بجائے اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ اے اللہ! یہ نعمت آپ مجھے بھی عطا فرمادیں۔

۲۔ کوئی ہمارے ساتھ زیادتی کرے یا ہمیں برا بھلا کہے تو فوراً ہابیل کے اِس جملے کو یاد کرلیں جو اُس نے قابیل سے کہا تھا کہ اگر تم میری طرف تکلیف پہنچانے کے لیے ہاتھ بڑھاؤ گے تو میں تو تمھاری طرف ہاتھ نہیں بڑھاؤں گا، اور اپنے آپ سے کہہ دیں کہ میں بُرائی کا جواب بُرائی سے نہیں دوں گا۔

# پیغامِ نبوی ﷺ

ارشد علی نواب شاہی

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑا اور فرمایا:

''اے معاذ! اللہ کی قسم! میں تم سے محبت کرتا ہوں۔''

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان! خدا کی قسم! میں بھی آپ سے محبت کرتا ہوں۔''

پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

''اے معاذ! میں تمھیں وصیت کرتا ہوں کہ کسی نماز کے بعد اِس دعا کو نہ چھوڑنا:

اَللّٰهُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی ذِکْرِكَ وَ شُکْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ

(السنن لابی داؤد ۲۱۳)

عزیز ساتھیو! دیکھیے، آپ ﷺ اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کی کس طرح دل جوئی فرماتے تھے، ان سے کیسی محبت فرماتے تھے اور پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ پر کیسے اپنی جان فدا کرتے تھے۔

اس حدیث میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے واسطے سے یہ ہمیں تعلیم دی گئی ہے کہ ہم ہر نماز کے بعد اِس مبارک دعا کو دِل سے مانگیں۔ اگر ہم یہ دعا مانگیں تو ہم آپ ﷺ کی مبارک وصیت پر عمل کرنے والے شمار ہوں گے۔

عزیز ساتھیو! اگر ہمیں یہ دعا یاد ہے تو بہت اچھی بات ہے۔ اگر یاد نہیں ہے تو کوئی بڑی بات نہیں، آج ہی اس مختصر سی دعا کو یاد کرکے آج سے ہی عمل شروع کردیں۔

اس پیاری دعا کا ترجمہ یہ ہے:

''اے اللہ! آپ میری مدد فرمایئے کہ میں آپ کا ذکر کروں اور آپ کا شکر ادا کروں اور اچھے طریقے سے میں آپ کی عبادت کروں۔''

عزیز ساتھیو! خود بھی اس دعا کا اہتمام کیجیے اور دوسروں کو بھی اس کی تلقین کیجیے۔

علم کا ذوق، عمل کا شوق بڑھانے والا بچوں کا رسالہ

ماہ نامہ

# ذوق و شوق

کراچی

زیر سرپرستی:

حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب دامت برکاتہم

رجب المرجب ۱۴۴۳ ہجری | جلد: 17 | شمارہ: 02

ناشر ~~~~ محمد عارف رشید



## مجلس ادارت

- مدیر ~~~~ عبدالعزیز
- معاون ~~~~ محمد طلحہ شاہین

سرورق السٹریٹر ~~~~ سید ناصر

آرٹسٹ ~~~~ قیصر شریف

کمپوزر ~~~~ سعد علی

نگران ترسیل ~~~~ منور عمر


اس رسالے کی تمام آمدنی تعلیم و تبلیغ اور اصلاح امت کے لیے وقف ہے۔


قیمت 80

سالانہ خریداری بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک 1100/=

بذریعہ عام ڈاک 850/=



ماہ نامہ ذوق و شوق میں اشتہار شائع کرنے کا مطلب تصدیق ہے نہ سفارش۔ یہ صرف عوام کو مطلع کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ مصنوعات کے بارے میں قارئین خود تحقیق فرمالیں۔



## خط و کتابت کا پتہ:

ماہ نامہ ذوق و شوق پی۔او۔بکس 17984 پوسٹ کوڈ 75300 گلشن اقبال، کراچی

Email: zouqshouq@hotmail.com

zouq shouq/ذوق شوق

اشتہارات اور سالانہ خریداری کے لیے رابطہ کریں

: 0324-2028753 , 0320-1292426

دفتری اوقات: صبح 8:00 تا 1:00

دوپہر 2:30 تا 6:00

سالانہ خریداری بذریعہ میزان بینک اکاؤنٹ:

اکاؤنٹ ٹائٹل: Bait ul ilm trust zouq o shouq

اکاؤنٹ نمبر: 0179-0103431456، سولجر بازار برانچ، کراچی

(نوٹ: بینک اکاؤنٹ میں رقم جمع کروانے کی رسید اس نمبر (0324-2028753) پر واٹس ایپ کردیں۔)



| عنوان | مصنف | صفحہ |
|---|---|---|
| بلا عنوان (۱۷۴) | عمارہ فہیم | 06 |
| اولیات و خصوصیات صدیق اکبر رضی اللہ عنہ | احتشام الحسن | 09 |
| ننھا گوریلا | انسپکٹر احمد عدنان طارق | 10 |
| امانت | حمیرا علیم | 13 |
| شنکی کا بھوت | اکمل معروف | 16 |
| حمزہ کی عینک | علیزہ میر | 20 |
| پینگوئن | ظفر شمیم | 22 |
| شیشے کا محل | قرۃ العین خرم ہاشمی | 23 |
| باہمت لڑکی | سائرہ احمد عالم | 25 |
| محمد بن قاسم (جدید) | بلال ہاشم | 27 |
| سونف | سعد علی چھیپا | 31 |
| رو بھی سکتا ہے | مریم شہزاد | 32 |
| صبح وسا کیجیے (نظم) | تنویر پھول | 35 |
| بات نیت کی ہے | زاہدہ عروج تاج | 36 |
| فاتح کون ۵ | نذیر انبالوی | 38 |
| وہ کیا تھا؟ | انعم توصیف | 41 |
| گھنا جنگل | تنزیلہ احمد | 42 |
| شکر پارے | قارئین | 44 |
| روڈ ٹو ٹیکسلا | الطاف حسین | 48 |
| بدشگونی | محمد فیصل علی | 51 |
| پہلا حق | محسن حیات شارف | 53 |

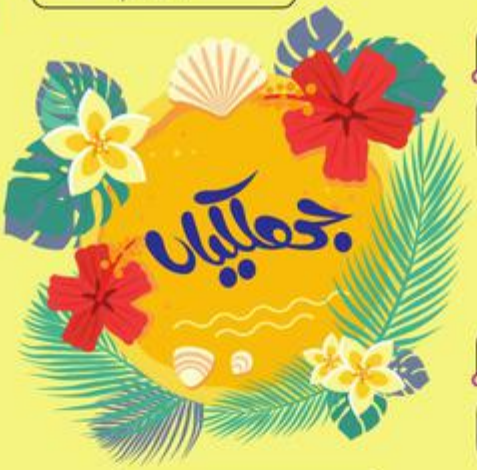






باہتمام محمد عارف رشید نے بچوں کی علمی و ذہنی ترقی و اصلاح کی خاطر ابن حسن پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔



**PARADISE BOOKS DISTRIBUTORS**

Karachi: J-73, UNIT-1, GROUND FLOOR, OFF ALLAMA IQBAL ROAD, PECHS BLOCK-2, KARACHI. 021-34314981

LAHORE: SIDDIQUE MANAZIL, 2ND FLOOR, 40-ABBOT ROAD, STREET NEON PRINCE, LAHORE. 051-48430042

RAWALPINDI: OFFICE NO 2, FIRST FLOOR, STAR PLAZA, PARADISE HOUSE, RAWALPINDI. 042-3629701

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

امید ہے آپ سب خیریت سے ہوں گے۔

ہمارے ہاں مہمان موجود ہوں اور اُن کی خاطر مدارات کے لیے پیش کرنے کو گھر میں کچھ موجود نہ ہو تو ہماری دوڑ دو تین چیزوں ہی کی طرف ہوا کرتی ہے: غازی کا پلاؤ، حاجی کی بریانی یا پھر یاسین بھائی کی مچھلی۔ یاسین بھائی تو دنیا سے چلے گئے ہیں، البتہ اب ان کے بیٹے بھورو بھائی اور اُن کے دو صاحب زادے اپنے دادا کا ٹھیا بحسن وخوبی سنبھالے ہوئے ہیں۔

اس مرتبہ بھی ایسا ہی ہوا، ہم یاسین بھائی کی دکان پر جا پہنچے۔ مچھلی کا آرڈر کیا اور لگے انتظار کرنے۔ وقت گزاری کے لیے بھورو بھائی کے بیٹے سے بات چیت شروع کر دی جو بڑی چابک دستی سے مچھلی بھوننے، یعنی گرل کرنے میں لگا ہوا تھا۔ ہم ابھی کراچی اجتماع سے متعلق دو چار باتیں ہی کر پائے تھے کہ ہم سے پیچھے کھڑے ایک صاحب نے اس پر چلّانا شروع کر دیا:

''بھیا! کب ملے گی مچھلی؟''

''ارے انکل! صبر تو کریں، آپ ہی کی مچھلی تیار ہو رہی ہے۔''

''ارے یار! اتنی دیر تھوڑا ہی لگتی ہے! گاہک کو اِتنا انتظار کرواتے ہیں کیا!''

''انکل! آپ کے سامنے ہی تو تیار ہو رہی ہے، اور کیا کروں!؟''

''ایسا کرو گے تو کون آئے گا!''

وہ صاحب گویا ادھار کھائے بیٹھے تھے۔ اس لڑکے نے مزید جواب دینے سے گریز کیا اور ہتھ پنکھی کی رفتار بڑھا دی، تاکہ ان انکل کا آرڈر جلد پورا ہو اور اُن کی کڑوی کسیلی مزید سننے سے بچا جا سکے۔ خدا خدا کر کے ان صاحب کی مچھلی تیار ہوئی اور وہ غصے سے اسے لے، پیسے دے، یہ جا، وہ جا ہوئے۔

ان کے جانے کے بعد ہم نے بھورو بھائی کے بیٹے سے پوچھا:

''تم نے ان صاحب کی کھری کھری باتیں کتنے حوصلے سے سن لیں!؟''

اس نوجوان نے جو جواب دیا، ہم آپ کو وہ بتانا چاہتے ہیں۔ اس نے کہا:

''اگر گاہک کی نہیں سنیں گے تو کمائیں گے کیسے! انھی سے تو ہماری دکان چل رہی ہے۔ اگر وہ کچھ سنا دیں اور ہم سن لیں تو اس میں کیا مضائقہ ہے!''

ہم اس نوجوان کا جواب سن کر سناٹے میں آ گئے اور سوچنے لگے کہ یہ دنیا کے لیے لوگوں کی باتیں سننے کو آمادہ ہیں اور ہم لوگ آخرت کے لیے لوگوں کی نہیں سن سکتے۔ یہ لوگ مال کے لیے سن رہے ہیں، کیا ہو جائے اگر ہم مال دینے والے کی وجہ سے لوگوں کی سن لیں۔ مثلاً اگر والد صاحب ہمیں کسی بات پر ڈانٹ دیں تو ہم منہ پھلا لیتے ہیں، والدہ صاحبہ کچھ کہہ دیں تو جواب دینے لگتے ہیں۔ اسی طرح استاد محترم جھاڑ پلا دیں تو بُرے بُرے منہ بنانے لگتے ہیں۔ بڑے بھائی اور بڑی بہن کے کچھ کہہ دینے کا تو پوچھنا ہی کیا!

اگر آپ ہماری بات سمجھ گئے تو ٹھیک، ورنہ اس ''علیک سلیک'' کو دوبارہ پڑھیے، اگر پھر بھی سمجھ میں نہ آئے تو کسی سے سمجھ لیجیے۔ ہم چلتے ہیں۔

# سیرت کہانی ۳۲

عبدالعزیز

ہمارے پیارے نبی حضرت محمد مصطفی ﷺ کی مبارک زندگی اور سیرت کے اہم واقعات پر مبنی ایک پیارا سلسلہ۔

حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''اصحاب صفہ تنگ دست تھے۔ رسول اللہ ﷺ انھیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تقسیم فرمادیتے کہ جس شخص کے پاس دو آدمیوں کا کھانا ہو، وہ ایک کو، جس کے پاس تین کا ہو، وہ چوتھے کو اپنے ہم راہ لے جائے۔''

(الصحیح بخاری، باب السمر مع الاھل والضیف)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''میں بھی صفہ والوں میں سے تھا، جب شام ہوتی تو ہم سب آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوجاتے۔ آپ ﷺ ایک ایک دو دو افراد کو مال دار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حوالے فرمادیتے تھے اور جو باقی رہ جاتے انھیں اپنے ساتھ کھانے میں شریک فرماتے۔ کھانے سے فارغ ہوکر ہم لوگ رات کو مسجد ہی میں سوجاتے۔''

(فتح الباری، باب کیف کان عیش النبی ﷺ واصحابہ وتخلیھم من الدنیا)

مسجد نبوی ﷺ کے دو ستونوں کے درمیان ایک رسی بندھی رہتی تھی جس پر انصار صحابہ رضی اللہ عنہم اپنے باغات سے کھجوروں کے خوشے لا لا کر اصحاب صفہ رضی اللہ عنہم کے لیے لٹکا دیتے تھے۔ اصحاب صفہ رضی اللہ عنہم انھیں لکڑی سے جھاڑ کر کھا لیتے۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اصحاب صفہ کے منتظم اور نگران تھے۔

(وفاء الوفاء، ج:۱، ص:۳۲۴)

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے حکم فرمایا تھا:

''ہر باغ والا ایک ایک خوشہ لاکر اصحاب صفہ کے لیے مسجد میں لٹکادے۔''

(فتح الباری، ج:۱، ص:۴۳۱)

حضرت عبداللہ بن شقیق رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

''میں ایک سال حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہا۔ ایک روز وہ فرمانے لگے:

''کاش! تم ہمارا وہ زمانہ دیکھ لیتے جب کئی کئی دن ہم پر ایسے گزرتے تھے کہ اتنا کھانا بھی نہ ہوتا تھا جس سے ہم کمر سیدھی کرلیں، یہاں تک کہ ہم مجبور ہوکر پیٹ سے پتھر باندھ لیتے، تاکہ کمر سیدھی ہوسکے۔''

(فتح الباری، ج:۱۱، ص:۲۴۲)

حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''کبھی کبھی اصحاب صفہ بھوک کی شدت کی وجہ سے نماز کی حالت میں بے ہوش ہوکر گر جاتے، باہر سے اگر کوئی آتا تو انھیں دیوانہ اور مجنون سمجھتا۔ رسول اللہ ﷺ ان کے پاس آتے اور ان الفاظ میں انھیں دلاسا اور تسلی دیتے:

''اگر تمھیں معلوم ہوجاتا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں تمھارے لیے کیا کچھ تیار ہے تو تم تمنا کرتے کہ تمھاری یہ غربت اور یہ فاقہ اور بڑھ جائے۔''

(وفاء الوفاء، ج:۱، ص:۳۲۲)

حضرت عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

''میری امت کے منتخب اور پسندیدہ لوگ وہ ہیں جن کے بارے میں مجھے مقرب فرشتوں نے یہ خبر دی ہے کہ وہ لوگ ظاہر میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کا خیال کرکے ہنستے ہیں اور دل ہی دل میں اللہ تعالیٰ کے عذاب کے خوف سے روتے رہتے ہیں۔ صبح وشام اللہ تعالیٰ کے پاک گھروں، یعنی مسجدوں میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہتے ہیں۔ زبانوں سے اللہ تعالیٰ کو پکارتے رہتے ہیں اور دل میں اللہ تعالیٰ کی ملاقات کا شوق رکھتے ہیں۔ لوگوں پر اُن کا بوجھ بہت ہلکا ہے اور خود اُن کے دلوں پر وہ بہت بھاری ہیں۔ زمین پر ننگے پاؤں بہت سکون سے چلتے ہیں، اکڑ کے اور اتراتے ہوئے نہیں چلتے۔ چیونٹی کی چال چلتے ہیں، یعنی ان کی چال سے تواضع ٹپکتی ہے۔ قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہیں، پرانے کپڑے پہنتے ہیں، ہر وقت اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہر وقت ان کی حفاظت کرتے ہیں۔ ان

کی روحیں دنیا
میں ہیں اور دِل ان کے
آخرت میں۔ آخرت کے سوا انھیں کسی
چیز کی فکر نہیں، ہر وقت آخرت اور قبر کی تیاری میں لگے رہتے ہیں۔"

(حلیۃ الاولیاء، ج:۱،ص:۱۶)

اصحاب صفہ کی تعداد کم اور زیادہ ہوتی رہتی تھی۔ حضرت عارف سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب عوارف میں لکھا ہے کہ اصحاب صفہ کی تعداد ۴۰۰ تک بھی پہنچی ہے، جن میں سے بعض کے نام یہ ہیں:

۱۔ حضرت ابوعبیدہ عامر بن الجراح رضی اللہ عنہ
۲۔ حضرت عمار بن یاسر ابوالیقظان رضی اللہ عنہ
۳۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ
۴۔ حضرت مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ
۵۔ حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ
۶۔ حضرت بلال بن رباح رضی اللہ عنہ
۷۔ حضرت صہیب بن سنان رضی اللہ عنہ
۸۔ حضرت زید بن خطاب رضی اللہ عنہ (حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے بھائی)
۹۔ حضرت ابومرثد کناز بن حصین عدوی رضی اللہ عنہ
۱۰۔ حضرت ابوکبشہ مولی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) رضی اللہ عنہ
۱۱۔ حضرت صفوان بن بیضا رضی اللہ عنہ
۱۲۔ حضرت ابوعبس بن جبر رضی اللہ عنہ
۱۳۔ حضرت سالم مولی ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ
۱۴۔ حضرت عمیر بن عوف رضی اللہ عنہ
۱۵۔ حضرت عکاشہ بن حصن رضی اللہ عنہ
۱۶۔ حضرت مسعود بن ربیع رضی اللہ عنہ
۱۷۔ حضرت ابوبشر کعب بن عمرو رضی اللہ عنہ
۱۸۔ حضرت عویم بن ساعدہ رضی اللہ عنہ
۱۹۔ حضرت مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ
۲۰۔ حضرت سالم بن عمیر رضی اللہ عنہ
۲۱۔ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ
۲۲۔ حضرت خبیب بن سیاف رضی اللہ عنہ
۲۳۔ حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ
۲۴۔ حضرت جندب بن جنادہ ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ
۲۵۔ حضرت عتبہ بن مسعود ہذلی رضی اللہ عنہ
۲۶۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما۔ (نکاح سے پہلے ابن عمر رضی اللہ عنہما، اہل صفہ کے ساتھ رہتے تھے اور انھی کے ساتھ مسجد میں رات گزارتے تھے۔)
۲۷۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ
۲۸۔ حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ
۲۹۔ حضرت ابوالدرداء عویمر بن عامر رضی اللہ عنہ
۳۰۔ حضرت عبداللہ بن زید جہنی رضی اللہ عنہ
۳۱۔ حضرت حجا بن عمرو اسلمی رضی اللہ عنہ
۳۲۔ حضرت ابوہریرہ دوسی رضی اللہ عنہ
۳۳۔ حضرت ثوبان مولی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) رضی اللہ عنہ
۳۴۔ حضرت معاذ بن الحارث رضی اللہ عنہ
۳۵۔ حضرت سائب بن خلاد رضی اللہ عنہ
۳۶۔ حضرت تابت ودیعہ رضی اللہ عنہ (مستدرک، ج:۳،ص:۱۸)

اسی سال، یعنی سن ۹ ہجری میں شعبان کے آخری عشرے میں رمضان کے روزے فرض ہوئے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو عاشورہ، یعنی دس محرم کا روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ جب رمضان کے روزے فرض ہوئے تو ارشاد فرمایا کہ اب عاشورہ کے روزے کا اختیار ہے، چاہے کوئی رکھے چاہے نہ رکھے۔ (بخاری)

پھر رمضان کے ختم ہونے میں دو دن باقی تھے کہ صدقہ فطر اور عید الفطر کی نماز کا حکم نازل ہوا۔ اسی سال سن ۲ ہجری میں بقرہ عید کی نماز اور قربانی کا حکم بھی نازل ہوا۔

بقیہ صفحہ نمبر 21 پر

کمرے کے ایک کونے میں رکھی لکڑی کی میز کے پاس سے مدھم مدھم روشنی ہر سُو پھیل رہی تھی۔ میز کے ساتھ ہی رکھی کرسی پر وہ ایک شان سے بیٹھا ہوا تھا، اس کی مکمل توجہ سامنے رکھی ڈائری پر مرکوز تھی۔ ہاتھ میں پکڑے قلم کے پچھلے حصے کو کنپٹی پر رکھ کر نظریں ڈائری پر گاڑھے وہ کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔

.....☆.....

''علم کا معنی ہے: جاننا، آگاہی حاصل کرنا۔ انسان کے لیے لازم ہے کہ اسے معلوم ہو کہ اسے پیدا کرنے والا کون ہے؟ کیوں پیدا کیا گیا ہے؟ زندگی گزارنے کا کیا طریقہ ہے؟ ان تمام سوالات کے جواب علم کے ذریعے ہی حاصل کیے جاسکتے ہیں۔

علم انسان کو عروج بھی دیتا ہے اور زوال بھی۔ عروج اس وقت ملتا ہے جب حاصل کیے گئے علم کا صحیح استعمال کیا جائے اور اگر بدقسمتی سے علم کا غلط استعمال کیا جائے تو یہی علم زوال کا سبب بھی بن جاتا ہے۔''

پروفیسر راشد صاحب کی عادت تھی کہ ہر روز سبق شروع کرنے سے پہلے علم کی اہمیت کے بارے میں کوئی نہ کوئی بات ضرور کرتے تھے، تاکہ طلبہ کے دل میں علم کی اہمیت ساری زندگی رہے۔

''سر! آپ نے کہا کہ علم عروج کا سبب بھی ہے اور زوال کا بھی، مگر مجھے یہ بات کچھ سمجھ میں نہیں آئی۔''

جماعت کے درمیان سے ایک طالب علم نے کھڑے ہو کر سوال کیا۔

''دیکھیں! علم کے ذریعے عزت اور شہرت حاصل ہوتی ہے، یہ تو سب کو ہی معلوم ہے۔ ظاہر ہے علم کا صحیح استعمال کریں گے، لوگوں سے اعلیٰ اخلاق سے پیش آئیں گے تو یہ ہماری عزت کا باعث بنے گا اور جب علم حاصل کر کے بے راہ روی کا شکار ہو جائیں تو ایسا علم ہمیں کوئی فائدہ نہیں دیتا۔

اس کی مثال یوں سمجھو کہ ایک شخص ہے زید، اس نے اعلیٰ تعلیم حاصل کی، سب کچھ بنا لیا، مگر وہ اپنے ماں باپ سے گالم گلوچ کرتا ہے، تو بتائیں، یہاں اسے اس کے علم نے فائدہ پہنچایا یا نقصان؟''

سر راشد نے سمجھاتے ہوئے جماعت میں موجود ہر طالب علم کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ کئی آوازیں ابھریں، جو اِسی بات کا اعتراف کر رہی تھیں کہ ''واقعی ایسا علم نفع بخش نہیں ہو سکتا۔''

''چلیں بھئی! اب سبق کی طرف آجاتے ہیں۔''

سر نے سب کو متوجہ کرتے ہوئے سرخ جلد والی کتاب کھولتے ہوئے کہا تو ہر طالب علم نے جلدی سے اپنی کتاب کھول لی۔

سینے میں رہے راز ملوکانہ تو بہتر
کرتے نہیں محکوم کو تیغوں سے کبھی زیر
تعلیم کے تیزاب میں ڈال اس کی خودی کو
ہو جائے ملائم تو جدھر چاہے اسے پھیر

پہلی صف میں احمد نے لہک لہک کر شعر پڑھنا شروع کیا، مگر آہستہ آہستہ آواز میں حیرت دَر آئی اور وہ اپنی حیرت چھپا نہ سکا۔

سر! یہ کیا کہہ دیا علامہ اقبال نے! ''تعلیم کے تیزاب میں ڈال اس کی خودی کو، جب کہ علامہ اقبال تو خود، خودی کو بلند کرنے کی بات کیا کرتے تھے اور اَب یہاں یہ کہہ رہے ہیں؟''

ابھی احمد سوال کر کے خاموش ہوا ہی تھا کہ پچھلی صف میں بیٹھے سعد کی آواز سنائی دی:

''یہی نہیں! بل کہ وہ تو تعلیم کو بھی تیزاب کہہ رہے ہیں۔''

سر مسکرائے اور گویا ہوئے:

''میں جانتا تھا، آج کا سبق پڑھ کر ایسے سوالات سامنے آئیں گے، لیکن اس سے پہلے کہ میں جواب دوں، میں چاہتا ہوں کہ آپ میں سے کوئی بتائے کہ اسے کچھ سمجھ میں آیا ہے آج کا سبق؟''

سر نے پورے کمرۂ جماعت میں نظریں دوڑائیں تو ایک طالب علم کھڑا ہوا۔

بہترین عنوان تجویز کرنے پر 250، دوسرا بہترین عنوان تجویز کرنے پر 150، تیسرا بہترین عنوان تجویز کرنے پر 100 روپے انعام دیا جائے گا۔ ''بلاعنوان'' کے کوپن پر عنوان تحریر کر کے ارسال کریں۔

عنوان بھیجنے کی آخری تاریخ **28** فروری **2022** ہے۔

نوٹ: کمیٹی کا فیصلہ حتمی ہوگا جس پر اعتراض قابل قبول نہ ہوگا۔

"جی فراز!"

"سر! اقبال کہتے ہیں نا کہ ؎

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے پوچھے کہ بتا تیری رضا کیا ہے

جب انسان اپنی ذات وانا کو بلند کرنے کے بجائے کچل دے تو وہ کسی کام کی نہیں ہوئی، تبھی یہاں اقبال کہہ رہے ہیں کہ تعلیم کے تیزاب میں ڈال اس کی خودی کو۔

ظاہر ہے بے کار چیز اب کس کام کی۔"

پروفیسر راشد بہت نرم مزاج، اور ملنسار طبیعت کے حامل تھے، اس لیے طلبہ ان سے ہر بات آرام سے کرلیا کرتے تھے، یہاں بھی فراز کی جو سمجھ میں آیا کہتا چلا گیا۔

"شاباش فراز! آپ نے کوشش اچھی کی ہے، مگر اب بھی ہم اصل بات تک نہیں پہنچے، لیکن اس میں پریشان ہونے والی کوئی بات نہیں ہے، ابھی آپ کے سامنے اس کی وضاحت آجائے گی۔

دیکھیے، یہ جو اشعار ہیں، یہ ایک طرح علامہ اقبال کی ہمیں نصیحت ہے۔ وضاحت سے پہلے میں آپ کو اس کے باقی اشعار بھی سناتا ہوں:

اک لردِ فرنگی نے کہا اپنے پسر سے
منظر وہ طلب کر کہ تیری آنکھ نہ ہو سیر
بے چارے کے حق میں ہے یہی سب سے بڑا ظلم
برّے پہ اگر فاش کریں قاعدۂ شیر
سینے میں رہے رازِ ملوکانہ تو بہتر
کرتے نہیں محکوم کو تیغوں سے کبھی زیر
تعلیم کے تیزاب میں ڈال اس کی خودی کو
ہوجائے ملائم تو جدھر چاہے اسے پھیر
تاثیر میں اکسیر سے بڑھ کر ہے یہ تیزاب
سونے کا ہمالہ ہو تو مٹی کا ہے اک ڈھیر

آپ جانتے ہیں کہ علامہ اقبال تعلیم کی اہمیت سے اچھی طرح واقف تھے، انھیں معلوم تھا کہ عہد حاضر میں ذہنوں کو مغلوب کرنے کا سب سے بڑا ہتھیار تعلیم ہے۔ تصور، جستجو، تحقیق، عمل، حرکت، سب اقبال کے تصورِ تعلیم کے بنیادی اجزا ہیں۔ علامہ اقبال اندھی تقلید کو مسلمانوں کے زوال کا سبب سمجھتے تھے، اسی لیے تو علامہ اقبال نے یہ فرمایا۔"

"اوہ اچھا! اب سمجھ میں آیا کہ علامہ اقبال کہہ رہے ہیں کہ لوگو! آنکھیں بند کر کے کسی کی تقلید مت کرو، بل کہ ہوش کے ناخن لو اور سمجھ داری کا مظاہرہ کرو۔"

ابھی سر اشعار کی طرف آنے ہی والے تھے کہ احمد صاحب نے جواب دے کر شاباشی کے لیے سر کی طرف منتظر نگاہوں سے دیکھا۔

سر نے بغیر کچھ کہے مسکرانے پر اکتفا کیا اور اشعار پڑھنے لگے۔ ؎

سینے میں رہے راز ملوکانہ تو بہتر
کرتے نہیں محکوم کو تیغوں سے کبھی زیر
تعلیم کے تیزاب میں ڈال اس کی خودی کو
ہو جائے ملائم تو جدھر چاہے اسے پھیر

مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں نے انگریزوں اور ہندوؤں سے آزادی حاصل کرلی، مگر آج بھی کسی نہ کسی طرح انگریزوں نے ہمیں اپنا ماتحت بنا رکھا ہے۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ اردو یا فارسی کو فروغ دیا جاتا، مگر انگریزی زبان کو رائج کیا گیا اور آج ہر جگہ انگریزی زبان ضروری سمجھی جاتی ہے،

جب کہ انگریزی کو صرف متبادل زبان کے طور پر سیکھا جانا چاہیے۔"

"جی سر! ہر جگہ، ہر میدان میں ہی انگریزی اہم ہوگئی ہے، اس کے بغیر جیسے گزارا ہی نہیں رہا۔"

ایک طالب علم نے کہا۔

"جی بیٹا! ایسا ہی ہوگیا ہے، اسی لیے تو علامہ اقبال واضح طور پر بتا رہے ہیں کہ انھوں نے بڑی سیاست سے انگریزی کو رواج دیا، تاکہ ہر کوئی اس کا محتاج اور غلام بن جائے اور جس طرح ایک نرم موم کو کسی بھی سانچے میں ڈھالا جا سکتا ہے بالکل اسی طرح حاکم، محکوم سے جو کروانا چاہے، جس سانچے میں اسے ڈھالنا چاہے ڈھال سکتا ہے۔"

"اوہ اللہ! مطلب سر! ہماری اصل تعلیم اور بنیاد جو تھی اسے ختم کر کے اس کی جگہ تعلیم کے نام پر تیزاب کو ہمارے اندر اُنڈیلا جا رہا ہے، تاکہ ہمارا ظرف، ہماری سوچ، ہر چیز بھسم کر کے اس کی جگہ نئی سوچ کو ڈال دیا جائے، اسی کو علامہ اقبال نے اس جملے "تعلیم کے تیزاب میں ڈال اس کی خودی کو" میں فرمایا ہے۔"

احمد نے ایک بار پھر کھڑے ہو کر اپنی ذہانت کا اظہار کیا، اس مرتبہ سر قریب آئے اور اُسے شاباش دی۔

"بالکل ٹھیک کہا! علامہ اقبال ہمیں یہی بتا رہے ہیں کہ ہوش یار رہو اور اپنی خودی کی حفاظت کرو، تاکہ کوئی تم سے تمھاری پہچان نہ چھین سکے۔"

سر کی بات کو اچھی طرح سمجھتے ہوئے ہر طالب علم نے یہ عہد کیا کہ اپنی مادری زبان کے فروغ کے لیے ہر دم کوشاں رہیں گے اور اپنی پہچان اور دینی اقدار کو مٹنے نہیں دیں گے۔

.....☆.....

کافی دیر سوچنے کے بعد ڈائری کے صفحے پر اُحمد اپنے استاد صاحب کے لیے تعریفی کلمات لکھتے ہوئے اپنی کام یابیوں کا سہرا اُن کے سر کر رہا تھا۔

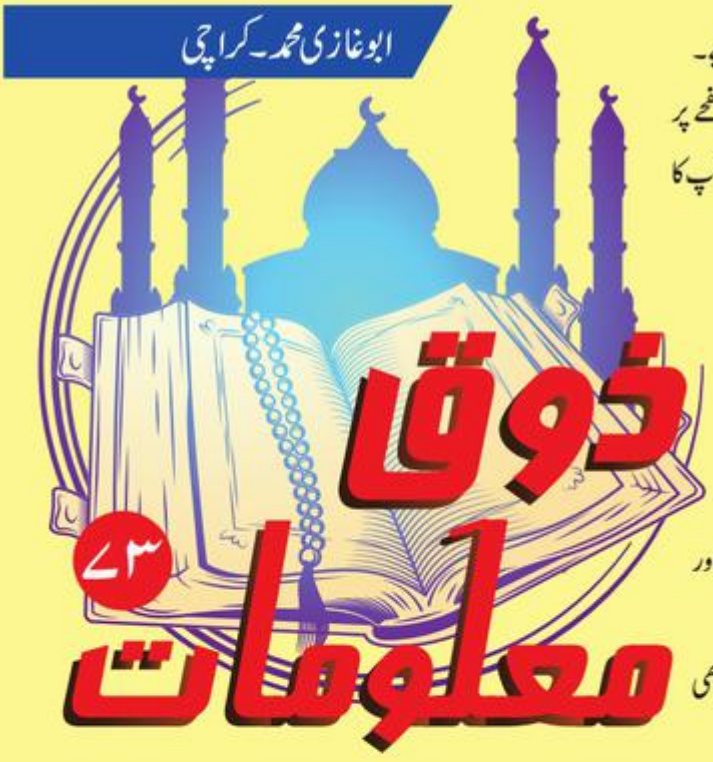


ابو غازی محمد۔ کراچی

یہ کُل پانچ اشارات ہیں۔ آپ ان کی مدد سے درست جواب تک پہنچنے کی کوشش کیجیے۔ اگر آپ ان اشارات کے ذریعے جواب تک پہنچ جائیں تو بُوجھا گیا جواب آخری صفحے پر موجود کوپن کے ساتھ ہمیں ارسال کر دیجیے اور اپنی معلومات کا انعام ہم سے پائیے۔ آپ کا جواب ۲۸ فروری تک ہمیں پہنچ جانا چاہیے۔

## یہ کیا ہے؟

1. دنیا میں اس پرندے کی تقریباً چار سو اَقسام پائی جاتی ہیں اور یہ پرندہ مختلف سائز اور رنگوں میں پایا جاتا ہے۔
2. یہ پرندہ کسان کا ناک میں دم کیے رکھتا ہے، فصلوں کو نقصان پہنچاتا ہے۔ پھلوں کا بھی دشمن ہے، کھاتا کم اور خراب زیادہ کرتا ہے۔
3. اس کی ایک خوبی یہ ہے کہ یہ انسانوں اور جانوروں کی آوازوں کی نقل اُتار سکتا ہے۔
4. یہ پرندہ بنیادی طور پر آزادی پسند ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی کتنی بھی خاطر داری (خدمت) کی جائے، لیکن جوں ہی اسے موقع ملتا ہے یہ "پُھر" سے اُڑ جاتا ہے۔
5. اُردو میں اس پرندے کے حوالے سے بہت سے محاورے بھی موجود ہیں۔

# اولیات و خصوصیاتِ
# صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

احتشام الحسن۔ چکوال

## اولیاتِ صدیقی:

وہ باتیں اور اُمور جن میں اللہ تعالیٰ نے حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کو تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں اولیت (پہلے ہونا) فضیلت عطا فرمائی ہے، درج ذیل ہیں:

1. آپ رضی اللہ عنہ آزاد مردوں میں سب سے پہلے مشرف بہ اسلام ہوئے اور کسی سے مشورے کے بغیر ایمان لائے۔
2. آپ رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے اپنے گھر کے صحن میں مسجد بنائی اور اُس میں نماز پڑھنے اور قرآن کریم کی تلاوت کرنے کی ابتدا کی۔
(بخاری شریف، جلد اول کی شرح میں عینی کے حوالے سے درج ہے کہ یہ پہلی مسجد ہے جو اِسلام میں بنائی گئی۔)
3. نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل کر جماعت کی صورت میں سب صحابہ رضی اللہ عنہم سے پہلے نماز پڑھنے کی سعادت حاصل کرنے والے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں۔
(تاریخ الخلفاء: ۱۳، طبع لاہور)
4. صدیق اکبر رضی اللہ عنہ وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے مسجد نبوی کی بنیاد میں سب سے پہلے رقم خرچ کی۔
5. حضرت علی رضی اللہ عنہ ذکر کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ صدیق اکبر (رضی اللہ عنہ) پر رحمت نازل فرمائے! وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے قرآن مجید کو دو تختیوں کے درمیان جمع کیا۔
6. پہلا حج جو اِسلام میں ہوا ہے، اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اَمیرِ حج بنا کر روانہ فرمایا تھا، پھر آئندہ سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود حج کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ (طبقات ابن سعد: ۵/۱۳۵)
7. حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عالم سے رخصت ہونے کی اطلاع پانے پر سب سے پہلے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوئے، جب کہ باقی سب صحابہ رضی اللہ عنہم ان کی اس حالت پر متعجب تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک آدمی کو اللہ کی طرف سے انتقال کے اختیار ملنے کی اطلاع دے رہے ہیں اور ابوبکر (رضی اللہ عنہ) رو رہے ہیں۔
(بخاری شریف: ۱/۵۱۶)
8. حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں پہلا شخص ہوں گا (قیامت میں) جو زمین سے اٹھوں گا، پھر ابوبکر اٹھیں گے۔
(مشکوۃ شریف: ۵۵۶، بحوالہ ترمذی)
9. نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ضرور تم وہ پہلے شخص ہو گے جو میری امت میں سے جنت میں داخل ہو گے۔
(مشکوۃ: ۵۵۶، بحوالہ ابی داؤد)
10. صدیق اکبر رضی اللہ عنہ وہ پہلی عظیم شخصیت ہیں کہ اسلام میں خلیفہ رسول اور خلیفۃ المسلمین کے نام سے موسوم ہوئے۔
(تاریخ الخلفاء: ۷۴)

## خصوصیاتِ صدیقی:

وہ امور جو خاص طور پر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو ہی حاصل ہیں:

1. تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے صرف صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہی ایسے صحابی ہیں جن کی چار پشتیں صحابی ہیں: ابوعتیق محمد بن عبدالرحمن بن ابی بکر الصدیق بن ابی قحافہ رضی اللہ عنہم۔
(ازالۃ الخلفاء، فارسی، مقصد دوم: ۱۶)
2. واقعہ ہجرت، جو اِسلام میں بہت بڑی فضلیت اور اہمیت رکھتا ہے، اس میں ابتدا سے انتہا تک حضرت صدیق رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت اور رفاقت میں رہے ہیں۔
(الاصابہ: ۲/۳۳۵، الاستیعاب: ۲/۲۳۴)
3. غارِ ثور میں آپ علیہ السلام کی معیت اور حاضری صدیق رضی اللہ عنہ کو ہی حاصل ہوئی ہے، جس کا ذکر قرآن مجید نے ''ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْ هُمَا فِی الْغَارِ'' میں فرمایا ہے۔
4. صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سردارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر و حضر میں ہر وقت ساتھ رہے ہیں۔
(الاصابہ مع استیعاب: ۲/۳۳۳)
5. نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
''صحبت اور سنگت کے اعتبار سے اور مال و دولت صرف کرنے کے اعتبار سے تمام لوگوں میں مجھ پر زیادہ احسان کرنے والے ابوبکر (رضی اللہ عنہ) ہیں۔
(بخاری: ۱/۵۱۶)

بقیہ صفحہ نمبر 12 پر

# ننھا گوریلا

انسپکٹر احمد عدنان طارق۔ فیصل آباد

ماں گوریلا ننھے گوریلے، جس کا نام گالا تھا، کو ڈانٹتی ہوئی بولی:

''اب جلدی کرو اور اپنی گاجر کو اُٹھا کر کھانا شروع کر دو۔''

گالے نے نفی میں سر ہلایا اور کہنے لگا:

''ہرگز نہیں، مجھے گاجریں اچھی نہیں لگتیں، لیکن پھر بھی میں انھیں کھا کھا کر تھک چکا ہوں۔ آج میرا بہت دل چاہ رہا ہے۔ اماں! مجھے دھنیے کے دھانی پتے کھانے ہیں۔''

ماں گوریلا گالے کو ڈانٹ پلا کر دیکھ چکی تھی۔ اس دفعہ بڑے پیار سے بولی:

''گالے! تم تو اتنے پیارے بچے ہو۔ میرے سارے کہنے مانتے ہو۔''

لیکن ابا گوریلا جو ماں بیٹے کی بحث سے تنگ آ چکا تھا، غصے سے بولا:

''اگر گالے کو گاجریں پسند نہیں ہیں تو پھر اُسے اپنے لیے خود ہی دھنیے کے پودے ڈھونڈنے ہوں گے۔ ویسے بھی اب یہ بڑا ہوتا جا رہا ہے، اسے اپنی حفاظت کرنا بھی سیکھنا چاہیے۔''

گالے نے باپ کی بات سنی تو فوراً ہاتھ میں تھامی ہوئی گاجر کو وہیں زمین پر پھینکا اور دھنیے کے پودوں کی تلاش میں بھاگ کھڑا ہوا۔ وہ کانٹوں سے بھرے درختوں کے بیچ میں سے بھاگتا ہوا جا رہا تھا، جو اُس کے گھر کے نزدیک اُگے ہوئے تھے۔ وہ گنگنا رہا تھا:

''دھنیا! بھائیو! خوش بو والا دھنیا! تازہ ہرا دھنیا! رس بھرا دھنیا!'' اُس نے دھنیے کے پودوں کو شکرقندی کے کھیت میں ڈھونڈا۔

اُس نے ہر جگہ دھنیے کے پودوں کو تلاش کیا، لیکن اُسے پودا تو کیا کہیں ایک پتا بھی نظر نہیں آیا۔ وہ اب گنگنا نہیں رہا تھا، بل کہ چلّا رہا تھا:

''میں بھوکا ہوں، گالا بھوکا ہے۔'' اچانک وہ چیخا:

''ارے واہ! ماموں بابون بیٹھے کھانا کھا رہے ہیں۔''

بابون بیٹھا ایک ناشپاتی کھا رہا تھا۔ گالا بولا:

''ماموں جان! مجھے لگتا ہے آپ کو بھی جنگل میں کہیں کوئی دھنیے کا پودا نظر نہیں آیا۔'' بابون بولا:

''دھنیا؟ بھانجے! یہ دھنیا کیا بلا ہے؟ مجھے تو یہ کانٹوں والی ناشپاتیاں ہی پسند ہیں جو میں کھا رہا ہوں۔ تمھیں بھی ناشپاتی کھانی ہے تو ایک لے سکتے ہو۔''

گالا پیار سے بولا:

''میرے پیارے ماموں!''

پھر اُس نے پورا منہ کھول کر ناشپاتی کا ٹکڑا دانتوں سے کاٹنے کی کوشش کی تو اچانک بے اختیار اُس کے منہ سے چیخ نکلی، کیوں کہ کانٹوں نے اُس کا منہ اندر سے چھیل دیا تھا۔

بابون ناراض ہو کر بولا:

''بے وقوف بھانجے! تمھیں ناشپاتی کھانے سے پہلے اُسے زمین پر رگڑنا چاہیے تھا، تا کہ اُس پر لگے ہوئے کانٹے گھس کر اُتر جاتے۔''

یہ کہہ کر اُس نے گالے کو ایک ناشپاتی زمین پر گھس کر دکھائی، تا کہ اُس کے کانٹے اُتر جائیں۔

گالا افسوس سے بولا:

''ماموں! آئندہ احتیاط کروں گا۔''

یہ کہہ کر وہ اپنے کھانے کی تلاش میں آگے چل دیا۔ وہ آہستہ سے بولا:

''لیکن میں آئندہ تو دھنیا ہی کھاؤں گا۔''

پھر اُس نے چٹانوں پر دھنیے کے پودے تلاش کیے۔ ایک ایک گھاٹی کو چھان مارا، لیکن اُسے دھنیے کا پودا تو کیا ایک پتا تک نظر نہیں آیا۔ وہ پھر چلاتا ہوا کہنے لگا:

''میں گالا ہوں۔ ایک گوریلا ہوں، لیکن بھوکا ہوں۔ او بھائی! میں واقعی بہت بھوکا ہوں۔ ارے سب کھانا کھا رہے ہیں سوائے میرے۔ اب وہ دیکھو، سارس چچا بھی کھانا کھا رہے ہیں۔ دیکھتے ہیں بھئی، وہ کیا کھا رہے ہیں؟''

سارس نے پنجوں میں ایک سانپ کو دبا ہوا تھا اور اُسے کھا رہا تھا۔ اُس کا کھانا دیکھا تو گالے نے ٹھنڈا سانس بھرا اور کہنے لگا:

''چچا سارس! مجھے لگتا ہے کہ آپ کو بھی کہیں دھنیے کے پودے نظر نہیں آئے؟''

سارس حیران ہو کر بولا:

''ننھے بھتیجے! یہ دھنیا کیا ہوتا ہے؟ میں تو کھانے میں مچھلی یا سانپ کھاتا ہوں۔ آجاؤ، بھوک لگ رہی ہے تو چکھ کر دیکھو۔''

ننھے گوریلے کو ناشپاتی والا تجربہ ابھی یاد تھا۔ اس نے بل کھاتے سانپ کو ہاتھ سے مضبوطی سے پکڑا اور اُسے زمین پر رگڑنے لگا۔ زخمی سانپ نے تلملا کر پھن اٹھایا اور سیدھا گالے کی ناک پر کاٹ لیا۔ گالے کی پھر چیخ نکل گئی:

''اوئی.....ی.....ی!''

سارس نے اُسے غصے سے ڈانٹتے ہوئے کہا:

''سانپ کو اِس طرح مارتے ہیں؟ تمھیں پورے زور سے اور دونوں پیروں سے سانپ کے پھن کو کچلنے کے لیے چھلانگیں لگانی چاہییں تھیں۔'' ناک کو مسلتا ہوا گالا بولا:

''ٹھیک ہے چچا! میں آئندہ آپ کی نصیحت پر عمل کروں گا۔''

وہ وہاں سے یہ کہہ کر روانہ ہوا تو اُس نے دیکھا کہ اس کے چچا سارس سانپ کے پھن پر چھلانگیں لگانے میں مصروف تھے۔ وہ آہستہ سے بولا:

''مجھے تو دھنیے کے پودے ڈھونڈے ہیں۔''

اُس نے کھجوروں کے درختوں کے نیچے دھنیے کے پودے ڈھونڈے، اس نے سوکھے ہوئے پانی کے جوہڑوں میں انھیں تلاش کیا۔ اس نے انھیں بہتیرا اِدھر اُدھر تلاش کیا، لیکن اسے دھنیے کا پودا تو کیا ایک پتا بھی نظر نہیں آیا۔ وہ پھر چلتا ہوا چلانے لگا:

''میں گالا ہوں اور بھوکا ہوں۔ بھوک سے مرنے والا ہوں۔ میں گوریلا ہوں اور سب کھانا کھا رہے ہیں۔ سامنے دیکھو بھائی! تایا لگڑ بگڑ بھی ضیافت اُڑا رہے ہیں۔''

لگڑ بگڑ، شتر مرغ کے انڈے ہڑپ کر رہا تھا۔ گالے نے انڈے دیکھے تو لگڑ بگڑ سے ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے بولا:

''مجھے لگتا ہے کہ تایا! آج سارا دن آپ کو دھنیے کا کوئی پودا نظر نہیں آیا۔''

حیران ہو کر لگڑ بگڑ بولا:

''دھنیا! وہ کیا ہوتا ہے؟ میں تو شتر مرغ کے انڈوں کا شیدائی ہوں۔ تمھیں چکھنا ہے تو اُدھر ایک اور موجود ہے۔''

اب ننھے گوریلے کو سانپ کا کاٹنا یاد تھا۔ وہ اپنے بازوؤں کو بھی ٹانگوں کی طرح استعمال کر کے انڈے پر کودا تو انڈے کے ٹکڑے ہو گئے اور گوریلے کے بازو اور ٹانگیں انڈے سے لتھڑ گئے۔

لگڑ بگڑ چلا کر بولا:

''بے وقوف بھتیجے! تمھیں اتنا بھی نہیں پتا کہ انڈے کو توڑنے کے لیے پتھر سے انڈے کو ہلکی سی چوٹ لگانی پڑتی ہے۔''

پھر اُس نے یہ کہہ کر ایک پتھر کو انڈے سے ٹکرایا، جس سے انڈے میں چھوٹا سا سوراخ بن گیا۔ ننھا گوریلا شرمندہ ہو کر کہنے لگا:

''اگلی دفعہ تایا جان میں احتیاط کروں گا، لیکن ظاہر ہے میں انڈے کے بجائے دھنیے کے پتے چبانا ہی پسند کروں گا۔'' آخری فقرہ اُس نے آہستگی سے کہا، پھر اُس نے دوبارہ دھنیے کی تلاش کر دی۔

اُس نے دھنیے کے پودوں کو دریا کے کنارے سبزے میں ڈھونڈا، لیکن اُسے پودے تو کیا دھنیے کا ایک پتا بھی نہیں ملا۔ وہ پھر چلاتے ہوئے جا رہا تھا:

''میں بھوکا ہوں، میں گالا ہوں، میں ننھا سا گوریلا ہوں۔ او بھائیو! میں بہت ہی بھوکا ہوں۔

اور اُدھر دیکھو، خالو گرگٹ مزے سے کھانا کھا رہے ہیں۔''

واقعی سامنے بیٹھے خالو گرگٹ منہ سے زبان باہر نکال کر مکھیاں پکڑ رہے تھے۔ اُن کی لپلپاتی زبان باہر نکلتی اور کبھی مکھی پکڑ لیتی اور کبھی مچھر۔ گالا، گرگٹ خالو کے سرہانے کھڑا ہو گیا اور ٹھنڈی سانسیں بھرنے لگا، پھر بولا:

''خالو! آپ نے بھی آج دھنیے کا کوئی پودا نہیں دیکھا ہوگا۔''

گرگٹ حیران ہو کر بولا:

''دھنیا! وہ کیا ہوتا ہے بھانجے! میں تو کھانے میں مکھیاں اور مچھر ہی پسند کرتا ہوں۔ یہ دیکھو، ایک میرے سر کے اوپر بھنبھنا رہی ہے۔ تمھیں کھانی ہے تو پکڑ لو۔''

اب ننھے گوریلے کو شتر مرغ کا انڈا یاد آ گیا۔ وہ بولا:

''میں مکھی کو پتھر سے ٹھوکر نہیں لگا سکتا، کیوں کہ یہ تو نچلی بیٹھتی ہی نہیں۔ مجھے ضرور اِسے پتھر پھینک کر مارنا چاہیے۔''

اُس نے ایک تیز نوک والا پتھر اُٹھایا اور اُسے زور سے مکھی کو مارنے کے لیے پھینکا، لیکن مکھی فوراً اُڑ گئی اور تیز نوک والا پتھر خالو گرگٹ کو زور سے لگا۔ تکلیف سے بے چارہ گرگٹ ناچنے لگا اور پورے زور سے چیخنے لگا۔

ننھے گوریلے نے یہ ماجرا دیکھا تو فوراً وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا۔ اُس کے تیز بھاگنے کی وجہ سے گھاس کچلی جا رہی تھی۔ اُس کے پیروں میں کانٹے چبھ رہے تھے اور اُس کا سانس پھول رہا تھا۔ وہ اتنی دیر تک دوڑا جب تک کہ اُس کے پاؤں بہت زخمی نہیں ہو گئے۔ اُس کی آنکھوں میں درد کے مارے اتنے آنسو تھے کہ اُسے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ بولنے لگا تو اُس کے منہ سے نکلا:

''میں بھوکا ہوں۔ پتا نہیں، میں کون ہوں، لیکن بہت بھوکا ہوں۔''

لیکن جب اُس نے آنکھوں سے آنسو پونچھے اور سامنے جو منظر اُس نے دیکھا تو اُسے یقین نہیں آیا۔ کیوں کہ اُس کے نزدیک ہی اُس کے جانے پہچانے کانٹوں والے درخت کھڑے تھے جو اُس کے گھر کے بالکل نزدیک تھے۔

اُس نے اطمینان کی سانس لی اور بولا:

''گھر، پیارا گھر، مجھے لگتا ہے میری پیاری گاجر کو کسی نے نہیں کھایا ہوگا۔ گھر والوں نے میرے لیے ایک گاجر تو چھوڑی ہی ہوگی۔ میرا گزارا تو ایک گاجر سے ہی ہو جائے گا۔''

لیکن ننھے گوریلے کی قسمت میں اس دن گاجر کھانا نہیں لکھا تھا، کیوں کہ اسے کانٹوں والے درختوں کے پیچھے سے ایسی آوازیں سنائی دی تھیں جیسے کوئی مزے لے لے کر کسی چیز کو چبا رہا ہو۔ وہ خاموشی سے آگے بڑھا اور جھانک کر دیکھا، پھر اُس نے آنکھیں مل مل کر دیکھا، پھر اُس نے غور سے دیکھا تو درختوں کی دوسری طرف نیا دھنیا، سبز اور مزے کا دھنیا لہلہا رہا تھا اور دھنیے کے پودوں میں اس کی امی اور ابا کھڑے دھنیے کی دعوت اُڑا رہے تھے۔ ننھا گوریلا سر جھکائے آہستہ آہستہ اُن کی طرف بڑھا۔ وہ اُسے دیکھ کر مسکرائے۔ ماں گوریلا بولی:

''بہت ہی مزے دار دھنیا ہے۔'' ابا نے بھی ماں کی تائید کی۔ ننھے گوریلے نے ایک دو پتیاں چبائیں اور بولا:

''ہاں اماں واقعی!''

پھر وہاں خاموشی چھا گئی اور صرف اُن تینوں کے پتے چبانے کی آوازیں آتی رہیں۔

## بقیہ: اولیات و خصوصیات صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

۶ ''عتیق (آگ سے آزاد شدہ)'' کا لقب خصوصاً حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو ہی حاصل ہے۔

حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جس شخص کو پسند ہے کہ آگ سے آزاد شدہ انسان کو دیکھے وہ ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کی طرف نظر کرے۔''

(الاصابہ میں: ۲/ ۳۳۴، الاستیعاب: ۲/ ۳۳۵)

۷ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مرض الوفات کے دوران میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی نماز کے لیے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ہی امام بنایا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مصلے پر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی امام قرار دیے گئے۔

(طبقات ابن سعد: ۳/ ۱۲۶)

۸ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے پردہ فرمانے جیسے ہوش رُبا حادثے اور قیامت خیز واقعے کے وقت بھی ثابت قدم اور مستقل مزاج رہنے والے صرف صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں، جنھوں نے سب کو صبر کی تلقین کی۔

۹ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد آپ کی پیشانی مبارک کا بوسہ لینا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ہی نصیب ہوا ہے۔

۱۰ آپ رضی اللہ عنہ کی آخری آرام گاہ، قبر اطہر کے بالکل متصل ہے۔

اس طرح صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو جتنا قرب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس عالم میں تھا اتنا ہی عالم برزخ میں ہے۔ اتنا ہی قیامت میں ہوگا، اتنا ہی بہشت میں بھی ہوگا، ان شاء اللہ تعالیٰ!

سبحان اللہ!

(فوائد نافعہ از مولانا نافع رحمہ اللہ: ۱/ ۶۵، ۶۶، ۶۷)

# امانت

حمیرا شہزادی۔ساہیوال

''عبداللہ! تم؟ آؤ آؤ، اندر آؤ۔''

شہروز نے عبداللہ کو صبح صبح ہی اپنے دروازے پر دیکھ کر حیرانی کا اظہار کیا۔

''خیریت تو ہے! آج صبح صبح ہماری یاد کیسے آ گئی؟''

''ہاں ہاں، خیریت ہی ہے۔ میرے پاس کچھ پیسے ہیں۔ تم انھیں اپنے پاس سنبھال کر رکھ لو۔ چند دِن بعد میں واپس لے لوں گا اور ہاں، کسی کو ان پیسوں کے بارے میں بتانا بھی نہیں ہے۔''

''بے فکر رہو میرے دوست! تم جب چاہو لے لینا۔''

شہروز کے الفاظ پر عبداللہ نے پُرسکون ہو کر واپس گھر کی راہ لی۔

عبداللہ اور شہروز، دونوں ایک ہی محلے کالونی میں رہتے تھے۔ نہ صرف وہ ایک دوسرے کے ہم سائے تھے، بل کہ ایک ہی اسکول میں پڑھتے تھے۔ شہروز کافی فضول خرچ تھا، جب کہ اس کے برعکس عبداللہ کفایت شعاری کو پسند کرتا تھا۔

دونوں کے مزاج مختلف ہونے کے باوجود بھی ان میں اچھی خاصی دوستی تھی۔

عبداللہ اپنے گھر والوں کے ساتھ نئے گھر میں منتقل ہو رہا تھا۔ وہ اپنے جیب خرچ سے ہمیشہ کچھ پیسے بچا کر رکھتا تھا، جس سے وہ اپنے اسکول میں موجود یتیم اور غریب بچوں کو کاپیاں اور کتابیں وغیرہ لے دیتا تھا، تاکہ ان کی تعلیم کا ہرج نہ ہو۔ وہ اپنے اس عمل کو خفیہ رکھنا چاہتا تھا۔

اسے خدشہ تھا کہ گھر منتقلی کے دوران میں اس کی بچائی ہوئی رقم کہیں اِدھر اُدھر نہ ہو جائے۔ کافی سوچ بچار کے بعد اُس نے وہ رقم اپنے دوست شہروز کے پاس رکھنے کا فیصلہ کیا، تاکہ وہ اسے حفاظت سے رکھے اور جب گھر سیٹ ہو جائے گا تو وہ اس سے واپس لے لے گا۔

......☆......

''میں پارٹی میں شرکت نہیں کر سکوں گا۔''

شہروز نے اپنے دوستوں کو بتاتے ہوئے افسردگی سے کہا۔

''لیکن کیوں؟''

اس کے دوستوں نے انکار کی وجہ جاننا چاہی۔

''میں اپنا سارا جیب خرچ پہلے ہی خرچ کر چکا ہوں۔ اب میرے پاس پیسے نہیں ہیں۔''

''ایک تو تمھاری فضول خرچی کی عادت تمھیں لے ڈوبے گی۔ بس جو بھی ہے، تم پارٹی میں شرکت کر رہے ہو بس!''

اس کے دوستوں نے فیصلہ سنایا۔

شہروز ساری رات سوچتا رہا کہ وہ پارٹی کے لیے پیسے کہاں سے لائے۔ اچانک اسے عبداللہ کی رکھوائی ہوئی رقم کے بارے میں خیال آیا۔

''واہ! کام بن گیا!'' شہروز نے دل ہی دل میں کہا۔

''اگر عبداللہ نے کل ہی یہ پیسے واپس مانگ لیے تو کیا جواب دوں گا؟'' ایک اور خیال آیا۔

''دیکھی جائے گی۔''

وہ دل میں آنے والے خیالات کو جھٹک کر پیسے گننے لگا۔

......☆......

''کیا ہوا؟ چہرے پر بارہ کیوں بج رہے ہیں؟''

احمر نے عبداللہ کو پریشان حالت میں کھڑے دیکھ کر اُس کے قریب آتے ہوئے پوچھا۔

''یار احمر! میں نے شہروز کے پاس کچھ رقم رکھوائی تھی، تاکہ گھر منتقلی کے دوران میں مجھ سے کہیں کھو نہ جائے، لیکن اب وہ پیسے دینے سے

انکار کر رہا ہے۔ کہتا ہے: میں نے تو اُس کے پاس کوئی پیسے نہیں رکھوائے۔ اب میں کیا کروں؟ سمجھ میں نہیں آ رہا۔''

عبداللہ نے احمر کو سارا قصہ سناتے ہوئے مشورہ طلب کیا۔

''اچھا تو یہ بات ہے، اسی لیے موصوف دو دِن سے اسکول سے بھی غیر حاضر ہیں۔ اگر تمھارے پیسے مل جائیں تو؟''

''تو پھر میں تمھیں تمھارا پسندیدہ برگر کھلاؤں گا۔''

برگر کا نام سنتے ہی احمر کے منہ میں پانی آ گیا۔

''کل ملتے ہیں پھر، ان شاء اللہ!''

اس نے عبداللہ سے ہاتھ ملاتے ہوئے رخصت چاہی۔

.....☆.....

''کون؟''

دروازے پر دستک ہونے پر شہروز نے اندر سے پوچھا۔

''میں احمر ہوں۔''

شہروز نے دروازہ کھول کر اُسے اندر آنے کا کہا۔

''تم دو دِن سے اسکول کیوں نہیں آ رہے؟''

احمر سوفے پر بیٹھتے ہی گویا ہوا۔

''بس میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔''

''طبیعت ٹھیک نہیں ہے یا نیت ٹھیک نہیں ہے؟''

احمر کے تجسس بھرے انداز پر شہروز چونکا۔

''کک..... کک..... کیا مطلب!؟''

''مجھے عبداللہ نے سب کچھ بتا دیا ہے۔''

''وہ..... میں.....''

شہروز نے شرمندگی سے وضاحت دینا چاہی۔

''دیکھو میرے دوست! امانت کا مطلب ہے کہ جو چیز جیسے رکھوائی جائے اسے بالکل اسی حالت میں مالک کو واپس لوٹایا جائے۔ اگر اُس میں کوئی کمی بیشی کی جائے تو یہ خیانت ہے، جو اچھی صفت نہیں ہے۔

تمھیں پتا ہے آپ ﷺ کو صادق اور اَمین کیوں کہا جاتا تھا؟ کیوں کہ آپ ﷺ ہمیشہ سچ بولتے تھے اور اَمانتوں کی حفاظت کرتے تھے۔

تمھیں تو چاہیے تھا عبداللہ کی رکھوائی ہوئی امانت بالکل ویسے ہی واپس کر دیتے، لیکن تم نے خود کو بچانے کے لیے جھوٹ کا سہارا لیا۔''

''میں اپنے کیے پر بہت شرمندہ ہوں۔ اصل میں، میں نے اس کے پیسے خرچ کر دیے ہیں۔ اب میرے پاس اتنے پیسے نہیں ہیں کہ اسے ایک ساتھ واپس کر سکوں، اس لیے مجھے جھوٹ بولنا پڑا۔''

شہروز نے اپنا قصور مانتے ہوئے ساری بات بتائی۔

''بُری بات بیٹا!'' شہزاد کی امی کی آواز آئی۔ ''میں نے آپ لوگوں کی ساری باتیں سن لی ہیں۔ اگر پیسوں کی ضرورت تھی تو مجھے کہتے۔

تمھیں معلوم نہیں، اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں امانتیں واپس کرنے کا حکم دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ تمھیں حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کی امانتیں ان کے حوالے کر دیا کرو۔'' (النساء:۵۸)

اسی طرح آپ ﷺ کا بھی فرمان ہے: ''اس شخص کا ایمان نہیں جس میں امانت داری نہ ہو۔'' (سنن بیہقی)

''جی امی! مجھے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہے۔''

''یہ ہوئی نا اچھے بچوں والی بات! یہ لو پیسے اور ابھی عبداللہ کو واپس کرو۔''

شہروز کی امی نے اسے سمجھانے کے بعد پیسے اس کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے کہا۔ اب احمر اور شہروز کا رُخ عبداللہ کے گھر کی جانب تھا۔ جہاں شہروز کو عبداللہ کو اُس کی رقم لوٹا کر اُس سے معافی مانگنی تھی اور اَحمر کو اپنا پسندیدہ برگر کھانا تھا۔

اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کی تحریر ماہ نامہ ''ذوق و شوق'' کی زینت بنے تو مندرجہ ذیل چیزوں کا خیال رکھیے:

☆ رجسٹر سائز کے بڑے صفحے پر ایک طرف لکھیے۔

☆ سطر چھوڑ کر لکھیے۔

☆ صفحے کی پیشانی پر ہی اپنا نام، رابطہ نمبر اور مکمل پتا لکھیے۔

☆ کئی عنوانات کے تحت لکھا گیا مواد یکجا نہ کیجیے، بل کہ ہر ہر چیز کو علیٰ حدہ صفحے سے شروع کیجیے۔

☆ کوئی نظم لکھی ہے تو بھیجنے سے پہلے اگر ممکن ہو تو کسی پختہ شاعر کو دکھا دیجیے۔

☆ کوئی اسلامی یا تاریخی واقعہ بھیج رہے ہوں تو آخر میں مکمل حوالہ ضرور لکھیے۔

☆ کوشش کر کے از خود کہانی لکھیے، کہیں بھی شائع شدہ کہانی نقل کر کے نہ بھیجیے اور خیال رکھیے کہ آپ کی کہانی دل چسپ ہو۔

☆ انعامی یا مستقل سلسلوں کے لیے بھیجی جانے والی چیز کا عنوان لفافے پر بھی ضرور لکھیے۔

☆ کسی تہوار یا دن کی مناسبت سے کوئی تحریر بھیجنا چاہیں تو دو ماہ قبل بھیجیے۔

☆ اپنی تحریر ارسال کرنے سے پہلے اس کی ایک عدد فوٹو کاپی اپنے پاس ضرور رکھ لیجیے اور ہمیں اصل کاپی ارسال کیجیے۔

☆ صبح کی نیند اِنسان کے ارادوں کو کمزور کرتی ہے۔ منزلوں کو حاصل کرنے والے کبھی دیر تک سویا نہیں کرتے۔

☆ پرانا تجربہ نئی تعمیر کی بنیاد ہوتا ہے۔

☆ کام شروع کرو اللہ کے نام کے ساتھ، کرتے رہو اللہ کی مدد کے ساتھ اور ختم کرو اللہ کے شکر کے ساتھ، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی مدد کے بغیر کوئی بھی کام تکمیل تک نہیں پہنچ سکتا۔

☆ اللہ تعالیٰ کی عطاؤں پر الحمد للہ اور اپنی خطاؤں پر اَستغفر اللہ کہنا اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔

(سماک بن سعد۔ کراچی)

☆ جو شخص بہانہ بنانے میں بہت اچھا ہو وہ کسی اور کام میں اچھا نہیں ہوسکتا۔

☆ کسی خیال کو قبول کیے بغیر اُس پر غور کرنا آپ کے تعلیم یافتہ ہونے کی نشانی ہے۔

☆ جب خواہشیں انسان کے قریب تر ہوجائیں تو وہ خود دوسرے انسانوں سے دور ہوجاتا ہے۔

☆ عقل مند سوچ کر بولتا ہے اور بے وقوف بول کر سوچتا ہے۔

☆ بے وقوف آدمی کا اصل المیہ یہ ہے کہ اس کی کوئی حماقت آخری نہیں ہوتی۔

(رمیصاء بنت اشتیاق۔ کراچی)

☆ تعریف سن کر خوش ہونے سے اچھا ہے تنقید سن کر اِصلاح کرلی جائے۔

☆ وقت کی بربادی کی سب سے بڑی وجہ اس کام کا آغاز ہے جسے آپ پورا نہ کریں۔

☆ مسائل کو حل کرنے سے مسائل سے نجات ملتی ہے۔

☆ آپ کا دشمن وہ ہے جس سے آپ کو نقصان پہنچے، چاہے وہ آپ کے خلاف ہو یا آپ کے ساتھ۔

(امامہ بنت عبیداللہ۔ کراچی)

☆ بخیل کے اندر وفا نہیں ہوتی۔

☆ حاسد کو کبھی راحت نہیں ملتی۔

☆ تنگ دل کا کوئی دوست نہیں ہوتا۔

☆ جھوٹے میں مروت نہیں ہوتی۔

☆ خائن کبھی قابل اعتماد نہیں ہوتا۔

☆ بداخلاق کے اندر محبت نہیں ہوتی۔

☆ عظیم لوگ عقابوں کی طرح ہوتے ہیں، جو اپنا نشیمن بلند و بالا تنہائیوں میں تعمیر کرتے ہیں۔

☆ اچھا سوچنا یا کسی اچھی بات کہنے والے کی مان لینا ایک ہی بات ہے۔

(ضحیٰ بنت محمد شعیب اسلم۔ رحیم یار خان)

☆ خوش قسمت ہے وہ انسان جو خوشی کو چھاؤں اور غمی کو دھوپ سے زیادہ اہمیت نہیں دیتا۔

☆ ہر چیز کی ایک قیمت ہوتی ہے اور اِنسان کی قیمت اس کی خوبیاں ہیں۔

☆ موت ایک ایسا دروازہ ہے جس میں سے ہر ایک کو گزرنا پڑتا ہے۔

☆ کبھی کوئی شکست ایسی بھی ہوتی ہے جس کے دامن میں فتح سے زیادہ کامیابیاں ہوتی ہیں۔

(اریبہ بنت عبداللہ۔ امریکا)

# بکھرے موتی

## قارئین

# ٹنکی کا بھوت

اکمل معروف۔ حیدرآباد

''ابا جان! ٹنکی میں پانی پھر ختم ہو گیا، نل میں سے اب ہوا ہی آسکتی ہے۔''

جنید نے چھت پر کھڑے کھڑے زوردار آواز لگائی تو افضل احمد چونک پڑے۔

''ارے بھئی، یہ کیا ہو رہا ہے! میں نے رات تین بجے سے صبح پانچ بجے تک پانی کی موٹر خود چلائی ہے اور کافی دیر تک پانی بھرنے کی آواز آتی رہی ہے۔ میں نے صبح پانچ بجے کے قریب مشین بند کی ہے اور اتنی دیر میں تو ٹنکی بھر جاتی ہے۔''

وہ حیرت زدہ انداز میں بڑبڑائے۔

''ہمارا تو پانی کا استعمال بھی زیادہ نہیں ہے۔ ایک بار ٹنکی بھر لو تو دو تین دن آسانی سے گزارا ہو جاتا ہے، پھر پانی اتنی جلدی کیسے ختم ہو گیا!؟'' افضل احمد کی بیوی ریحانہ نے بھی تعجب کا اظہار کیا۔

''پرسوں جب پانی ختم ہوا تو میں سمجھا تھا کہ شاید میں موٹر چلا کر سو گیا تھا تو میرے سونے کے بعد پانی آنا بند ہو گیا ہو گا، اس لیے ٹنکی خالی رہ گئی ہو گی، مگر آج پھر ایسا ہوا ہے!'' افضل احمد نے کہا۔

جنید چھت سے نیچے آچکا تھا۔ وہ اپنے ابا جان کی بات سن کر مسکراتے ہوئے بولا:

''یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ موٹر خراب ہو اور پانی کا زور کم ہونے کی وجہ سے پانی ٹنکی تک نہ پہنچ سکا ہو۔''

''یہ تو خیر تم نے ٹھیک کہا، ایسا بھی ممکن ہے۔ تم ایسا کرو، عارف مستری کو بلا کر لے آؤ، اس سے کہنا کہ موٹر کو چیک کر لے۔'' افضل احمد نے مطمئن لہجے میں کہا۔

''ٹھیک ہے ابا جان! ابھی تو میں ٹیوشن سینٹر جا رہا ہوں، واپسی پر عارف بھائی کو لیتا ہوا آجاؤں گا۔'' جنید یہ کہہ کر اپنی کتابیں اُٹھائے گھر کے قریب واقع ٹیوشن سینٹر کی طرف چل دیا۔

ایک ہفتے کے دوران میں یہ دوسری مرتبہ ہوا تھا کہ ٹنکی میں پانی بھرنے کے باوجود ٹنکی صبح خالی تھی اور کسی کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا۔ پانی رات کے دو بجے کے بعد آتا تھا اور صبح چھے بجے تک آنے کے بعد پھر سارا دن نہیں آتا تھا، لہٰذا افضل احمد رات تین بجے کے قریب اٹھ کر موٹر چلا دیا کرتے تھے۔ دو تین گھنٹے موٹر چلنے پر ٹنکی بھر جاتی تھی، جو دو دِن تک کے لیے کافی ہو جاتی تھی۔

ٹیوشن سے واپس آکر جنید عارف مستری کو گھر لے آیا۔ اس نے پانی کی موٹر کو اچھی طرح چیک کیا اور بتایا:

''موٹر تو بالکل ٹھیک ہے، پمپ وغیرہ بھی بالکل درست حالت میں ہیں اور بظاہر کوئی خرابی نہیں ہے۔''

یہ کہہ کر وہ چلا گیا تو افضل احمد اپنا سر کھجانے لگے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آخر پانی ٹنکی میں کیوں نہیں ہے۔ وہ زینہ چڑھ کر خود اوپر پہنچے اور غور سے ٹنکی کے اطراف میں دیکھنے لگے کہ کہیں سے پانی رِس تو نہیں رہا، مگر بہت دیر تک معاینہ کرنے کے بعد بھی کوئی رساؤ نظر نہیں آیا تو نیچے اتر آئے۔

رات کے تقریباً تین بجے کا وقت ہوگا کہ جب افضل احمد نے پانی کی موٹر چلائی اور خود چھت پر جا کر ٹنکی میں جھانک کر دیکھا کہ پانی چڑھ بھی رہا ہے یا نہیں؟ پانی مسلسل ٹنکی میں گر رہا تھا اور پانی کی سطح بلند ہوتی جا رہی تھی۔ وہ آدھے گھنٹے تک جائزہ لیتے رہے، پھر مطمئن انداز میں سر ہلاتے ہوئے نیچے اتر آئے۔ پانچ بجے کے قریب انھوں نے موٹر بند کر دی۔

افضل احمد کے برابر والے گھر میں رہائش پذیر خالو جھگڑالو تنہا زندگی گزارتے تھے۔ ان کا ایک بیٹا بہت سالوں پہلے کسی یورپی ملک میں جا بسا تھا اور پھر پلٹ کر واپس نہیں آیا تھا۔ خالو جھگڑالو ریٹائرمنٹ کے بعد پینشن پر گزارا کر رہے تھے۔ مزاج میں بہت گرمی تھی اور آئے دن کسی نہ کسی سے لڑتے جھگڑتے رہتے تھے۔ ان کی اس عادت کی وجہ سے محلے کے لڑکوں نے ان کا نام ''خالو جھگڑالو'' رکھ دیا تھا جو خود انھیں بھی بہت پسند آیا اور انھوں نے اسے اپنے نام کے طور پر اختیار کر لیا۔

کوئی دس بجے صبح کا وقت تھا جب خالو گھر سے باہر نکلے تو افضل احمد کو پریشان کھڑے دیکھا۔ وہ آگے بڑھے اور دریافت کیا:

''افضل بھائی! خیر تو ہے، بہت پریشان دکھائی دے رہے ہو؟''

''کیا بتاؤں خالو! کچھ دنوں سے عجیب مسئلہ درپیش ہے۔ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ کیا کروں۔'' وہ بے چارگی سے بولے۔

''ایسا کیا معاملہ ہو گیا ہے؟۔ کچھ ہمیں بھی بتاؤ۔'' خالو نے ہمدردی کا اظہار کیا۔

''آپ تو جانتے ہیں کہ محلے میں پانی رات دیر سے آتا ہے۔ میں ڈھائی تین گھنٹے تک پانی کی موٹر چلا کر ٹنکی میں پانی بھرتا ہوں اور صبح اٹھ کر دیکھتے ہیں تو ٹنکی خالی ہوتی ہے۔''

''ہائیں! کہیں مشین تو خراب نہیں ہے؟'' انھوں نے پوچھا تو افضل احمد نے نفی میں سر ہلایا۔

''نہیں جناب! مستری سے مشین چیک کرالی ہے، کوئی خرابی نہیں ہے۔ ٹنکی میں کوئی لیکیج بھی نہیں ہے۔ عقل کام نہیں کر رہی کہ کیا معاملہ ہے؟'' انھوں نے دھیمے لہجے میں کہا اور گھر کے اندر چلے گئے۔

دوپہر کے وقت دروازے کی گھنٹی بجی۔ جنید نے دروازہ کھول کر باہر دیکھا تو خالو جھگڑالو ایک آدمی کے ساتھ کھڑے دکھائی دیے۔

''جنید بیٹا! افضل بھائی کو بتاؤ کہ ہم ایک عامل بابا کو لے کر آئے ہیں۔ یہ گھر کا معاینہ کریں گے اور دیکھیں گے کہیں گھر میں جنات وغیرہ تو قبضہ نہیں کیے ہوئے۔

خالو کی بات سن کر جنید حیرت زدہ انداز میں اس شخص کی طرف دیکھنے لگا۔ خالو کے ساتھ موجود اُس آدمی کی چھوٹی سی داڑھی تھی اور وہ ہاتھ میں تسبیح پکڑے اس کے دانے گھما رہا تھا۔ جنید فوراً اپنے والد کے پاس گیا اور اُنھیں ساری بات بتائی۔ وہ بھی حیران رہ گئے، دروازے پر پہنچے اور خالو کو کہنے لگے:

''ارے خالو! آپ سے کس نے کہہ دیا کہ میرے گھر پر جنات کا قبضہ ہے، جو آپ ان صاحب کو لے آئے ہیں۔''

''دیکھو میاں! ہم تو تمھارا بھلا ہی سوچ رہے ہیں۔ جب ٹنکی سے پانی کے اخراج کا کوئی ممکنہ سراغ نہیں مل رہا تو لازمی بات ہے کہ کوئی نہ کوئی جناتی کارروائی ہے۔ کیا آپ جنات کے وجود سے انکار کر سکتے ہیں؟'' خالو نے سوالیہ نظروں سے انھیں دیکھا۔

''ٹھیک ہے خالو! آپ اپنے عامل بابا سے ٹنکی کا معاینہ کروالیں۔'' افضل احمد نے خالو کی ضد سے مجبور ہو کر کہا۔

عامل بابا فوراً گھر کے اندر داخل ہوئے اور منہ ہی منہ میں کچھ پڑھنا شروع کر دیا۔ وہ اِدھر اُدھر دیکھتے اور پھر ہوا میں پھونک مارتے ہوئے زینہ چڑھ کر پانی کی ٹنکی تک جا پہنچے۔ اچانک وہ زور سے اچھلے اور زور زور سے چلانے لگے:

''میں نے تمھیں دیکھ لیا ہے۔ تم مجھ سے بچ نہیں سکتے۔ بہتری اسی میں ہے کہ چپ چاپ چلے جاؤ۔''

''یہ کس کو چلے جانے کا کہہ رہے ہیں؟'' جنید نے حیرت سے پوچھا۔

''بیٹا! عامل بابا کو غالباً جن نظر آ گیا ہے، یہ اسی سے بات کر رہے ہیں۔'' خالو نے مطمئن لہجے میں جواب دیا۔

''جن نہیں، بل کہ جنوں کا پورا ٹولہ اس ٹنکی پر قبضہ جمائے بیٹھا ہے۔ یہ ناشتے کے بعد اِس ٹنکی کا سارا پانی پی جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ٹنکی

اکثر خالی ملتی ہے۔'' عامل بابا نے زوردار آواز میں کہا۔

''ناشتے کے بعد! ارے بھئی واہ! آپ کو چند منٹ میں ان جنوں کی ساری مصروفیات بھی پتا چل گئیں!'' افضل احمد نے طنزیہ انداز میں کہا تو عامل بابا بھڑک اٹھے:

''نادان! تم کیا سمجھتے ہو کہ ہم تم سے جھوٹ بول رہے ہیں، اس بچے کا خیال نہ ہوتا تو ابھی ان جنات کو تمھارے سامنے حاضر کر دیتا۔'' عامل بابا نے جنید کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''بابا! مجھے جنوں سے کوئی خوف نہیں۔ آپ نمونے کے طور پر ایک آدھ جن کو حاضر کریں۔ میں ان سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ وہ ناشتے میں کیا کیا پسند کرتے ہیں۔'' جنید نے شرارتی لہجے میں کہا۔

''تم لوگ شاید بابا کو معمولی سمجھ رہے ہو۔ یاد رکھو، بابا نے اگر اُن جنات کو یہاں سے نہیں نکالا تو تم پانی کی ایک بوند کو بھی ترس جاؤ گے۔'' خالو کی آواز میں غصہ تھا۔

''اب ہم کسی صورت ان کا کام نہیں کریں گے۔ یہ ہماری طاقت کا درست اندازہ نہیں لگا رہے۔ ہم جا رہے ہیں۔ اب اگر ان جن بھوتوں سے چھٹکارا چاہتے ہو تو ایک کالا بکرا اور پانچ ہزار روپے کا نذرانہ لے کر ہمارے آستانے پر آجانا۔'' عامل بابا نے منہ آسمان کی طرف کرتے ہوئے کہا۔

''ایک کالا بکرا آپ کو معلوم ہے کتنے کا آتا ہے؟ کم از کم تیس ہزار روپے کا! اس سے بہتر ہے کہ ہم چھت پر کسی دوسری جگہ نئی ٹنکی بنوا لیں، یا پھر ٹینکر سے پانی خرید کر اِستعمال کر لیں۔'' جنید نے مذاق اڑانے والے انداز میں کہا۔

''چلیں بابا! بس بہت ہو چکی۔ اب جب تک یہ آپ کی شرائط پوری نہ کریں آپ ان کا کام نہ کیجیے گا۔'' خالو نے بُرا سا منہ بنایا اور عامل بابا کا ہاتھ پکڑے باہر نکل گئے۔

اگلے دن دوپہر کے وقت خالو گھر سے باہر نکلے تو محلے میں رہنے والے ریٹائرڈ فوجی حاجی خان نے انھیں دیکھتے ہی کہا: ''خالو! سنا ہے کہ آپ آج کل جعلی عامل کو لیے پھر رہے ہیں؟''

''میاں فوجی! بہتر یہ ہے کہ تم اپنی توجہ اپنے کام پر رکھو، ہم سے مذاق تمھیں بہت مہنگا پڑ جائے گا۔'' خالو نے انھیں گھورا تو حاجی خان نے کھسک جانے میں ہی عافیت جانی۔

خالو جیسے ہی گلی کے نکڑ سے دور جاتے دکھائی دیے حاجی خان واپس اپنے گھر سے باہر نکلے اور افضل احمد کے دروازے پر لگی گھنٹی کا بٹن دبایا۔ کچھ دیر میں افضل احمد دروازے پر پہنچے۔

''حاجی بھائی آپ؟ خیریت تو ہے؟'' انھوں نے حیرانی سے پوچھا تو حاجی خان نے ان کے کان میں کھسر پھسر شروع کر دی۔ افضل احمد کی آنکھیں حیرت سے پھیلتی چلی گئیں۔

صبح دس بجے کے قریب افضل احمد اور اُن کا بیٹا جنید اپنے گھر کی چھت پر ایک پلنگ کھڑا کر کے اس کے پیچھے چھپے بیٹھے تھے۔ ان کی نظریں ٹنکی کے ساتھ ساتھ برابر والے گھر کی چھت پر بھی لگی ہوئی تھیں، جس کی چھت ان کی چھت سے ملی ہوئی تھی۔

اچانک انھیں خالو جھگڑالو اپنی کی چھت پر کودتے نظر آئے۔ ان کے ہاتھ میں پلاسٹک کا پائپ تھا، جس کا اگلا سرا اُنھوں نے افضل احمد کی ٹنکی کا ڈھکن ہٹا کر اُس میں داخل کیا اور مطمئن انداز میں سَر ہلایا۔

ابھی وہ پلٹ کر واپس جانے کی سوچ ہی رہے تھے کہ جنید اور اَفضل احمد پلنگ کی اوٹ سے باہر نکلے اور طنزیہ انداز میں کہا:

''واہ بھئی واہ خالو! بہت خوب! ہم رات جاگ کر پانی بھرتے ہیں اور آپ آرام سے اپنی نیند پوری کر کے ہماری ٹنکی میں پائپ لگا کر، موٹر چلا کر سارا پانی اپنی ٹنکی میں بھر لیتے ہیں، آج پتا چلا کہ اس ٹنکی کا بھوت کون ہے!''

خالو اِس اچانک حملے کی تاب نہ لا سکے۔ ان کا منہ فق ہو گیا اور پھٹی پھٹی نظروں سے انھیں دیکھنے لگے، پھر کچھ ہوش آنے پر آگے بڑھے اور بہت گھبراہٹ میں بولے:

''افضل بھائی! مجھے معاف کر دیں۔ میں بہت شرمندہ ہوں۔ دراصل مجھ سے رات کے وقت جاگا نہیں جاتا، اس لیے صبح اٹھنے کے بعد یہ حرکت کیا کرتا تھا۔''

''آپ کو معلوم ہے کہ یہ عمل چوری کہلاتا ہے اور دھوکا دہی بھی۔ وہ تو حاجی خان نے ایک مرتبہ اپنے گھر کی چھت سے آپ کو ایسا کرتے دیکھ لیا تھا اور اُنھوں نے مجھے اس بات سے آگاہ کیا، ورنہ تو آپ نے ہمیں اس جعلی عامل بابا کے ہاتھوں لوٹنے کا بھی انتظام کر لیا تھا۔'' افضل احمد بولے۔

بہت دیر تک معافی تلافی کے بعد خالو کی جان چھوٹی اور اَفضل احمد کی ٹنکی کا بھوت ہمیشہ کے لیے بھاگ گیا۔

# سوال آدھا جواب آدھا ۲۹

الطاف حسین۔ کراچی

اس کھیل میں چند جملے ہیں، ہر جملہ دو حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلے حصے میں کچھ معلومات دی گئی ہیں، جب کہ دوسرے حصے میں اسی طرح کی معلومات آپ سے پوچھی گئی ہیں۔ آپ مطلوبہ معلومات ہمیں ۲۸ فروری تک ارسال کر دیجیے، ہم آپ کو اِس کا انعام روانہ کر دیں گے۔ ایک سے زیادہ درست جوابات موصول ہونے کی صورت میں قرعہ اندازی کے ذریعے تین قارئین کرام کو انعام سے نوازا جائے گا۔ کوپن پُر کر کے ساتھ بھیجنا نہ بھولیے گا۔

۱ قرآن مجید کی تیسری منزل میں دو ''سجدۂ تلاوت'' آتے ہیں..... بتایئے قرآن مجید کی چھٹی منزل میں کتنے ''سجدۂ تلاوت'' آتے ہیں؟

۲ حضور نبی کریم ﷺ کی چار صاحب زادیاں تھیں۔ (حضرت سیّدہ زینب، حضرت سیّدہ رقیہ، حضرت سیّدہ اُمِ کلثوم اور حضرت سیّدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہن)..... بتایئے آپ ﷺ کے کتنے صاحب زادے تھے؟

۳ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مدتِ خلافت دو سال، تین مہینے، گیارہ دن تھی..... بتایئے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کتنے سال مسندِ خلافت پر فائز رہے؟

۴ سن ہجری کا آغاز یکم محرم الحرام 1 ہجری کو ہوا تھا۔ اس دِن عیسوی تاریخ 16، جولائی 622 تھی..... آپ یہ بتایئے کہ سنِ ابراہیمی کا آغاز کسی عیسوی تاریخ سے ہوا تھا؟

۵ اُردو زبان کے مشہور شاعر ''حسرت موہانی'' کا اصل نام سیّد فضل الحسن تھا..... بتایئے اُردو زبان کے مشہور شاعر ''فانی بدایونی'' کا اصل نام کیا تھا؟

۶ اِٹلی کے شہر رُوم کی بنیاد 753 قبل مسیح میں شاہ رُومولس نے رکھی تھی..... بتایئے 332 قبل مسیح میں مصر کے مشہور شہر اسکندریہ کی بنیاد کس نے رکھی تھی؟

۷ قازقستان 2، مارچ 1992ء کو اقوامِ متحدہ کا رُکن بنا تھا..... بتایئے ازبکستان نے کس تاریخ کو اقوام متحدہ کی رکنیت حاصل کی تھی؟

۸ پاکستان میں جنوری 1991ء میں تربیتی جیٹ طیارہ ''قراقرم'' تیار کیا گیا تھا..... بتایئے جولائی 1991ء میں مکمل طور پر پاکستان میں تیار ہونے والے ٹینک کو کیا نام دیا گیا تھا؟

۹ علمِ عروض میں چھے مصرعوں پر مشتمل بند والی نظم کو ''مُسدّس'' کہتے ہیں..... بتایئے جس نظم کا ہر بند پانچ مصرعوں پر مشتمل ہوتا ہے، ایسی نظم کو کیا کہا جاتا ہے؟

۱۰ ''بول اُٹھنا'' اُردو زبان کی ایک محاورہ ہے، جس کا مطلب ہے: ''بات کرنے لگنا''..... بتایئے ''بول مارنا'' کا کیا مطلب ہے؟

# حمزہ کی عینک

علیزہ میر۔ لاہور

حمزہ آج پھر اسکول سے آیا تو خاموش خاموش تھا۔

''کیا ہوا حمزہ!؟ کھانا نہیں کھانا؟ تمھاری پسند کی بریانی بنائی ہے۔'' امی، حمزہ کے سر پر کھڑی کہہ رہی تھیں۔

''نہیں امی! مجھے بریانی نہیں کھانی، میرے سر میں درد ہے اور آنکھوں میں بھی درد ہے۔'' حمزہ نے آنکھیں مسلتے ہوئے کہا۔

''بخار تو نہیں ہو گیا؟'' امی نے فکر مندی سے حمزہ کی پریشانی کو چھوا۔

''نہیں حمزہ! بخار تو نہیں ذرا بھی۔ اُٹھو، تھوڑا کھانا کھالو، درد ٹھیک ہو جائے گا۔ بھوک کی وجہ سے ہو رہا ہوگا۔'' امی بہت پیار سے کہہ رہی تھیں۔

حمزہ بُرے بُرے منہ بناتا ہوا اُٹھ کھڑا ہوا۔

پھر یہ روز کا معمول ہی بن گیا۔ اسکول سے واپسی پر حمزہ روز یہ کہتا کہ میرے سر میں شدید درد ہے، آنکھوں میں بھی بہت درد ہے۔

امی ابو نے فیصلہ کیا کہ کسی اچھے ڈاکٹر سے حمزہ کی آنکھوں کا معاینہ کروا دیں۔

ڈاکٹر صاحب نے حمزہ کی آنکھوں کا معاینہ کیا اور بتایا کہ حمزہ کی آنکھوں میں کوئی مسئلہ نہیں ہے، نظر بھی بالکل ٹھیک ہے۔ اب تو حمزہ کی امی اور ابو، دونوں ہی پریشان ہو گئے کہ آخر معاملہ کیا ہے۔

ابھی یہ مسئلہ سلجھا نہ تھا کہ اسکول سے حمزہ کے استاد صاحب کی کال آ گئی کہ حمزہ کے ابو اِسکول آ کر اُستاد صاحب سے ملیں۔

اگلے دن حمزہ کے ابو اِسکول پہنچ گئے۔ اسکول کے آفس میں بیٹھے وہ بہت پریشان تھے۔ استاد صاحب نے پوچھا:

''حمزہ! ہمارا بہت لائق طالب علم ہے، پر کچھ دنوں سے ہر ٹیسٹ میں نمبر بہت ہی کم آ رہے ہیں، پڑھائی پر بھی توجہ کم ہے۔ کیا گھر میں کوئی مسئلہ ہے؟''

''نہیں، گھر میں تو کوئی مسئلہ نہیں۔ بس، سر درد کی شکایت کر رہا تھا تو ہم نے ڈاکٹر کو آنکھیں چیک کروائیں۔ وہ بھی بالکل ٹھیک ہیں، اور تو کوئی بات نہیں۔'' حمزہ کے ابو نے تفصیل سے جواب دیا۔

''خرم احمد کو بلائیے۔''

استاد صاحب نے حمزہ کے دوست کو آفس میں بلوا بھیجا۔ خرم استاد صاحب سے اجازت لے کر آفس میں داخل ہوا اور قریبی کرسی پر بیٹھ گیا۔

''خرم بیٹا! حمزہ کے ساتھ کیا مسئلہ ہے؟ اس نے کچھ بتایا آپ کو؟'' استاد صاحب نے پیار سے پوچھا۔

''نن..... نہیں سر! مجھے تو کچھ نہیں پتا۔'' خرم ہکلاتے ہوئے بولا۔

''بیٹا! حمزہ کے امی ابو بہت پریشان ہیں۔ اگر آپ کو کچھ پتا ہے تو بتا دو۔ اچھے بچے ہمیشہ سچ بولتے ہیں اور اپنے دوستوں کے ساتھ ہمیشہ بھلائی کرتے ہیں۔'' استاد صاحب نرم لہجے میں بولے۔

''سر! حمزہ کے ساتھ کوئی مسئلہ نہیں۔ ہماری جماعت میں ایک لڑکا ہے منور، اسے کچھ دن پہلے نظر کا چشمہ لگا اور حمزہ کو وہ نظر کا چشمہ بہت اچھا لگا۔ وہ کہہ رہا تھا کہ میں بھی گھر جا کر کہوں گا کہ میرے بھی سر اور آنکھوں میں درد ہے تو مجھے بھی چشمہ لگ جائے گا۔'' خرم نے ایک ہی سانس میں بات مکمل کی۔

''لیکن سر! آپ حمزہ کو نہ بتائیے گا، ورنہ وہ مجھ سے ناراض ہو جائے گا۔'' خرم نے ڈرتے ڈرتے استاد صاحب سے کہا۔

''آپ بھی نے اس بارے میں حمزہ کو کچھ نہیں بتائیے گا۔'' استاد صاحب نے پیار سے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''اب آپ کلاس میں جائیے۔''

''اب بتائیے، کیا اس مسئلے کا حل ہم کریں یا آپ!؟'' استاد صاحب نے حمزہ کے والد سے پوچھا۔

''نہیں، اس کا حل میرے پاس ہے۔ ان شاء اللہ! بہت جلد آپ کو نتیجہ نظر آئے گا۔'' حمزہ کے والد کافی مطمئن لگ رہے تھے۔

کچھ ہی دن میں خراب موسم کی وجہ سے اسکول پندرہ دن کے لیے بند کر دیے گئے۔ حمزہ اداس بیٹھا گیم کھیل رہا تھا کہ اس کے ابو نے کہا:

''چلو بھئی حمزہ! تیاری کرو، ہم گاؤں جا رہے ہیں تمھارے دادا جان کے پاس۔''

''یاہو! دادا کے پاس۔'' حمزہ خوشی سے چلّایا۔

چند ہی گھنٹوں کے سفر کے بعد وہ دادا جان کے گھر میں موجود تھے۔ دادا جان اور دادی جان کو چوں کہ ان کے پہنچنے کی اطلاع پہلے ہی دی جا چکی تھی، اسی لیے دادی جان نے سب چیزیں حمزہ کی پسند کی بنائی تھیں۔

''دادو! حلوہ بہت مزے دار ہے۔'' حمزہ گرم گرم حلوہ کھاتے ہوئے بولا۔

''حمزہ میاں! حلوہ کھا کر میرے پاس آ جاؤ، ذرا اخبار پڑھ کر سنا دو۔ میری عینک کا شیشہ ٹوٹ گیا ہے، چشمہ بن کر آنے والا ہے۔'' دادا نے حمزہ سے کہا۔

''جی دادا جان! چلیے، حلوہ تو ختم ہو گیا ہے۔'' حمزہ دادا کے ساتھ بیٹھا انھیں اخبار پڑھ کر سنانے لگا، پھر جب اخبار ختم ہو گیا تو حمزہ بولا:

''دادا جان! آپ چشمے کے بغیر پڑھ نہیں سکتے بالکل!؟''

''نظر بہت کم زور ہو گئی ہے بیٹا جی! چشمے کے ساتھ بھی بس صبح کے وقت ہی پڑھ سکتا ہوں۔ رات کو تو چشمے کے ساتھ بھی کچھ نظر نہیں آتا۔''

کچھ ہی دیر میں عشا کی اذانیں ہونے لگیں۔ سردی کے دن تھے۔ شام منٹوں میں رات میں ڈھل رہی تھی۔ دادی جان آئیں اور دادا جان کا ہاتھ پکڑ کر انھیں وضو کے لیے لے کر جانے لگیں۔

''آپ رہنے دیں، آج میں وضو کروا دیتا ہوں دادا جان کو۔'' حمزہ نے دوڑ کر دادا کا ہاتھ پکڑا۔ دادا ٹٹول ٹٹول کر چل رہے تھے۔

''دادا جان! آپ کو بالکل نظر نہیں آ رہا؟'' حمزہ پریشان ہو رہا تھا۔

''نہیں بیٹا! بالکل نہیں، رات کو نظر نہیں آتا۔ اتنا بھی اللہ کا شکر ہے کہ دن میں دیکھ لیتا ہوں۔ تم پریشان مت ہو۔'' دادا اُس کی پریشانی سمجھ رہے تھے۔

کچھ ہی دیر میں رات کا کھانا لگ گیا۔ سب کھانے کی میز پر بیٹھے تھے۔ دادو نوالے بنا کر دادا کو کھانا کھلا رہی تھیں۔

''دادا جان! آپ پھر سے بچے بن گئے۔'' حمزہ بولا۔ سب مسکرانے لگے۔

اگلے چند دِن حمزہ کی زندگی کے بہت اہم دن تھے۔ وہ صبح اُٹھتا تو دیکھتا کہ دادا صبح صبح اُٹھ کر نماز پڑھتے، چڑیوں کو دانا ڈالتے، مرغیوں کا دڑبا کھول کر اُنھیں روٹی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ڈالتے۔ سارا دِن وہ بہت سے کام کرتے، لیکن رات ہوتے ہی انھیں اپنے چھوٹے چھوٹے کاموں کے لیے بھی دادو کو آواز دینی پڑتی۔ حمزہ، دادا کے لیے بہت پریشان تھا۔ وہ بھول چکا تھا کہ اس نے نظر کا چشمہ لگانے کے شوق میں جھوٹ بولا تھا کہ اُس کے سر اور آنکھوں میں درد رہتا ہے۔

''دادا جان! آپ کو عجیب نہیں لگتا کہ آپ رات کو دیکھ نہیں سکتے؟'' حمزہ مونگ پھلیاں کھاتے ہوئے دادا سے پوچھ رہا تھا۔

''عجیب کی کیا بات ہے بیٹا جی! آنکھیں نعمت ہیں، ٹھیک دیکھ پانا بھی نعمت ہے۔ انسان کو ہر حال میں ''الحمدللہ!'' کہنا چاہیے۔''

حمزہ بہت دھیان سے دادا جان کی باتیں سن رہا تھا۔ باہر صحن میں بیٹھے امی ابو بھی سن رہے تھے۔ اتنے میں ابو کمرے میں آ کر بولے:

''حمزہ بیٹا! یہاں گاؤں میں ایک آنکھوں کے بہت اچھے ڈاکٹر ہیں۔ چلو، انھیں بھی دکھا دیتے ہیں تمھاری آنکھیں۔''

''نہیں ابو جی! میرے سر میں کوئی درد نہیں، نہ ہی آنکھوں میں۔ ہماری جماعت میں منور کو نظر کا چشمہ لگا تو میرا بھی دل چاہا تھا۔ میں نے جھوٹ بولا تھا۔ میں سمجھ گیا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہر چیز نعمت ہے اور ہمیں اس کا ہر حال میں شکر اَدا کرنا چاہیے۔''

''لو بھئی، حمزہ کی اتنی اچھی باتوں پر میں اُسے ایک چشمہ تحفتاً دوں گا۔'' دادا نے اعلان کیا۔

''چشمہ!؟'' امی، ابو، دادو اور حمزہ ایک ساتھ بولے۔

''ہاں ہاں، دھوپ کا چشمہ۔'' دادا نے جواب دیا اور سب ہنس پڑے۔

## بقیہ: سیرت کہانی

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام پڑھنے کا حکم بھی سن ۲ ہجری میں نازل ہوا اور بعض کہتے ہیں کہ شب معراج میں یہ حکم نازل ہوا۔

(فتح الباری، ج:۸، ص:۴۱۱)

زکوٰۃ کے بارے میں بھی بعض علمائے کرام فرماتے ہیں کہ یہ بھی سن ۲ ہجری میں روزے کے بعد فرض ہوئی۔ اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی اور حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نکاح بھی اسی سال ہوا۔

.....(جاری ہے).....

# پینگوئن

ظفر شمیم۔ کراچی

براعظم انٹارکٹیکا برف کا ایک ایسا ٹھنڈا اور یخ بستہ خطہ ہے جہاں انسانی رہائش ناممکنات میں سے ہے، لیکن اس کا مطلب یہ قطعی نہیں ہے کہ اگر انسان یہاں نہیں رہ سکتا تو کوئی بھی نہیں رہ سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس برفانی دنیا میں بھی اَن گنت جانور ایسے پیدا کیے ہیں جو برفانی موسم کو جھیل کر یہاں بآسانی رہائش اختیار کیے ہوئے ہیں۔ انھی جانوروں میں پینگوئن بھی ہے۔

پینگوئن انسانوں کی طرح دو پیروں پر کھڑے ہو کر چلنے والی مخلوق ہے۔ اس کی چال بالکل انسانوں کی طرح ہے۔ اڑان سے محروم یہ پرندہ شترمرغ کے بعد سب سے بھاری پرندہ شمار کیا جاتا ہے۔ یہ برف کی دنیا کے خاص رہائشی ہیں، جن کی کھال میں چربی کی موٹی تہ اُنھیں سردی لگنے سے محفوظ رکھتی ہے اور اِس طرح یہ بآسانی برفانی ماحول میں اپنا گزارا کر لیتے ہیں۔ پینگوئن کی اسی خصوصیت کی بنا پر اِسے انٹارکٹیکا کی چڑیا بھی کہتے ہیں۔ قد، وزن، اور رہائش کی بنیاد پر حیاتیاتی ماہرین نے پینگوئن کو سترہ قسموں میں تقسیم کیا ہے، جن میں سے چند انواع کا الگ الگ تعارف درج ذیل ہے۔

۱۔ جنٹو (Gen too):

یہ نیوزی لینڈ کے ٹھنڈے جزائر کے پینگوئن ہیں۔ ان کی خاص بات یہ ہے کہ انسانی دوستی میں ان کا کوئی نعم البدل نہیں۔ یہ انسانوں سے کھیل اور کرتب سیکھ کر اُنھیں تماشے کے طور پر پیش کرتے ہیں۔

۲۔ گالاپاگوس: (Galapagos):

یہ سیاہ چتکبرے دھبوں کے مالک ہوتے ہیں۔ کھانے پینے کے معاملے میں یہ دیگر انواع سے کہیں آگے ہیں۔ پیٹو طبیعت کا مالک ہونے کی بدولت ان کا پیٹ باہر کو نکلا ہوا ہوتا ہے۔ ایک دن میں بیس کلو تک چھوٹی مچھلیاں پکڑ کر کھا لینا ان کے لیے معمولی بات ہے۔

۳۔ بادشاہ (Royal):

ان پینگوئن کے سروں پر رنگ برنگے پروں کا قدرتی تاج ہوتا ہے، اسی لیے اس حسین ترین نوع کو بادشاہ کا نام دیا گیا ہے۔ اس کی مادہ تین سالوں میں ایک انڈا دیتی ہے۔ افزائشِ نسل میں اتنی زیادہ سست رفتاری کی وجہ ہی سے پینگوئن کی اس نسل کو شدید خطرات لاحق ہیں۔

۴۔ افریقی پینگوئن:

یہ مدد کے وقت بندر کی طرح چیختا ہے اور انڈے دینے کے لیے افریقی سرزمین کا انتخاب کرتا ہے۔ یہ چھوٹی انواع میں شمار کیا جاتا ہے۔

۵۔ سلطان پینگوئن:

یہ پینگوئن کی سب سے بڑی نسل ہے، اس لیے سلطان (Emperor) کہلاتا ہے۔ آٹھ فٹ قد کی حامل اس نسل کا سات برس کا بچہ سمندر میں ایک ہی وقت میں 565 میٹر گہرائی میں غوطہ مارتا ہے اور پانی کے اندر بیس منٹ سانس روک کر زندہ رہ سکتا ہے۔

۶۔ میکرونی (Macaroni):

یہ سب سے شرمیلے پینگوئن ہیں۔ ان کے سروں پر سنہری پروں کا تاج انھیں دیگر انواع سے الگ پہچان عطا کرتا ہے۔ ارجنٹائن اور چلی کے جزائر ان کا مسکن ہیں۔ پینگوئن کی سترہ قسموں میں ان کی تعداد سب سے زیادہ ہے۔

۷۔ راک ہاپر (Rock Hopper):

یہ پہاڑوں اور برف کے گلیشیئرز پر منٹوں سیکنڈوں میں چڑھ جاتے ہیں۔ بلندی پر رہائش ان کا وطیرہ ہے، کیوں کہ وہاں سے دشمنوں پر نظر رکھنا ان کے لیے بہت آسان ہوتا ہے۔

۸۔ چھوٹا پینگوئن:

فٹ بال کے برابر پینگوئن کی یہ سب سے چھوٹی نسل آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ میں رہتی ہے۔ یہ نوع اتنی شرمیلی اور ڈرپوک ہے کہ آدھی رات کو چوری چھپے سناٹے میں خوراک تلاش کرتی ہے اور سحر ہونے سے پہلے ہی جھاڑیوں میں چھپ جاتی ہے۔

# شیشے کا محل

قرۃ العین خرم ہاشمی۔ لاہور

''کیا! رضا چاچو کے گھر جانا ہے؟''

کاشف نے جب سنا کہ سب گھر والے کچھ دنوں کے لیے رضا چاچو کے گھر رہنے جا رہے ہیں تو وہ خوشی سے اُچھلنے لگا۔

''کیا پاگل ہو گئے ہو؟'' گل رعنا نے بھائی کو گھورتے ہوئے کہا۔

''ہاں، رضا چاچو کے گھر جانے کے خواب تو میں روز دیکھتا ہوں۔'' کاشف نے خوشی سے بھرپور انداز میں کہا۔

''کیوں؟'' گل رعنا نے حیرت سے بھائی کی طرف دیکھا۔

''تمھیں نہیں پتا! گزشتہ مہینے جب رضا چاچو مہمان خانے میں بیٹھے ابو کو اپنے خوب صورت اور بڑے سے موبائل میں اپنے نئے گھر کی تصویریں دکھا رہے تھے تو میں نے بھی وہ تصویریں دیکھی تھیں۔ کتنا پیارا اور شان دار گھر بنایا ہے رضا چاچو نے۔'' کاشف نے متاثر کن انداز میں کہا۔

''گھر تو ہمارا بھی بُرا نہیں ہے۔'' گل رعنا نے منہ بنا کر کہا۔

''ہاہاہا!'' کاشف اپنے سے دو سال چھوٹی بہن کو دیکھ کر قہقہے لگانے لگا۔

''تم اپنے پرانے اور بے کار گھر کو رضا چاچو کے گھر سے ملا رہی ہو۔'' پندرہ سالہ کاشف نے منہ بنا کر کہا۔

''خبردار! اگر اپنے گھر کو بُرا کہا۔'' گل رعنا نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

''اچھا نہیں کہوں گا، مگر براہِ مہربانی تم میرے سب اچھے کپڑے دھو کر استری کر دینا۔ وہاں ہمیں ایک ہفتے رہنا ہے۔'' کاشف آنے والے دنوں کا سوچ کر خوشی سے پاگل ہو رہا تھا۔

''میرا تو جانے کا دِل نہیں چاہ رہا۔ رضا چاچو کے چاروں بچے بہت نخریلے ہیں۔'' گل رعنا نے اپنے دونوں کزنوں حرا اور منال کے بارے میں سوچتے ہوئے کہا۔

''اُف! تم جلتی رہنا ان سے۔ بھئی اللہ تعالیٰ نے انھیں اتنا کچھ دیا ہے تو فخر تو کریں گے نا!'' کاشف نے عجیب سی وجہ پیش کی۔

''اوہو، میں کیوں جلوں گی کسی سے۔'' گل رعنا نے اسے گھورا اور اُٹھ کر وہاں سے چلی گئی۔ کاشف آنے والے دنوں کے خیالوں میں کھو گیا۔

کاشف کے والد پروفیسر اعجاز اسلامیات کے پروفیسر اور ایک بہت نیک اور شریف انسان تھے، جن کی ساری عمر طلبہ کو اسلامیات

پڑھانے اور علم بانٹنے میں گزری تھی۔ وہ اپنے پرانے بنے بڑے سے گھر میں اپنے بیوی اور دو بچوں کے ساتھ خوش حال زندگی گزار رہے تھے۔ ان کا چھوٹا بھائی رضا ایک مشہور بزنس مین تھا، مگر اُس میں غرور بہت تھا۔ یہی عادت اس کے چاروں بچوں میں تھی۔ رضا اپنے گھر کسی کو بلانا پسند نہیں کرتا تھا۔ اعجاز اپنے خاندان کے سب لوگوں سے ملتا۔ اپنی بہنوں کو اپنے گھر بلاتا۔ سب سے خوش اخلاقی سے ملتا، ہر مشکل میں کام آتا، جب کہ رضا کسی غریب رشتے دار کو منہ نہیں لگاتا تھا۔

رضا اور اُس کی بیوی عالیہ نے نئے گھر پر اِترانے اور سب رشتے داروں پر اپنی بڑائی جتانے کے لیے اپنے گھر ایک دعوت رکھی۔ اپنے بھائی اعجاز اور اپنی دونوں بہنوں کو ایک ہفتے رہنے کا بھی کہہ دیا۔ اعجاز صاحب اپنے چھوٹے بھائی کی کام یابی دیکھ کر خوش ہونے کے بجائے پریشان تھے، کیوں کہ رضا نے یہ سب روق حلال سے نہیں سے جمع کیا تھا۔

اعجاز صاحب اس لیے رضا سے متاثر نہیں تھے، مگر کاشف ان کے برعکس تھا۔ وہ اپنے رضا چاچو کی دولت سے بہت متاثر تھا۔ کچھ دنوں کے بعد اِعجاز صاحب اپنے اہلِ خانہ کے ساتھ دوسرے شہر رضا کے گھر گئے۔ اس کا محل جیسا شان دار گھر دیکھ کر سب کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ کاشف کو تو یقین ہی نہیں آرہا تھا کہ وہ رضا چاچو کے گھر میں ہے۔ اگلے دن شان دار دعوت تھی، جس میں کئی قسم کے کھانے رکھے گئے تھے۔

خاندان کے لوگوں کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ سب کو تحفے میں جوڑے دیے گئے۔ خوب پیسا خرچ کیا گیا۔ پورے خاندان میں رضا کی واہ واہ ہوگئی۔

.....☆.....

''دیکھا، میں نے کہا تھا نا رضا چاچو بہت امیر ہیں۔'' کاشف نے ایک ہفتے وہاں رہ کر واپس آنے کے بعد گل رعنا سے کہا۔

''کاشف بیٹا! کسی کے پیسے سے متاثر ہونا چھوڑ دو۔'' اچانک اعجاز صاحب وہاں کسی کام سے آئے تو بیٹے کی بات سن کر کہنے لگے۔

''مگر ابو! اس میں کیا بُرائی ہے؟'' کاشف نے حیرت سے سوال کیا۔

''بیٹا! برائی یہ ہے کہ غلط طریقوں سے حاصل کیا گیا اور کمایا گیا مال شیشے کے گھر کی طرح ہوتا ہے۔'' اعجاز صاحب نے مسکرا کر کہا۔

''ابو! یہ باتیں آپ کے بیٹے کی سمجھ میں نہیں آئیں گی۔'' گل رعنا نے شرارت سے کہا۔

''کیوں؟ کیا میں کند ذہن ہوں؟'' کاشف نے منہ بنا کر کہا۔

''تمھیں شک ہے!؟'' گل رعنا نے اس کا مذاق اُڑایا۔ اعجاز صاحب بچوں کی نوک جھونک پر مسکرا دیے۔

کچھ دنوں کے بعد کاشف کو کسی کام سے اپنے رضا چاچو کے شہر جانا پڑا تو وہ کام سے فارغ ہو کر والد صاحب کی ہدایت کے مطابق کچھ سامان دینے ان کے گھر چلا گیا۔ کاشف کو گیٹ پر چوکی دار نے روک لیا۔

''میں رضا چاچو کا بھتیجا ہوں۔'' کاشف نے جب بتایا تو چوکی دار نے انٹر کام پر کال کر کے بتایا، تب اسے اندر جانے کی اجازت ملی۔

رضا چاچو اپنے گھر والوں کے ساتھ ابھی دوپہر کا کھانا کھا کر فارغ ہوئے تھے، کاشف کو دیکھ کر خوش ہونے کے بجائے سنجیدگی سے پوچھنے لگے:

''کوئی کام تھا؟'' رضا چاچو کے سوال نے کاشف کو شرمندہ کر دیا۔

''جی، ابو نے کچھ سامان بھیجا ہے۔'' کاشف نے ہاتھ میں پکڑی چیزیں سامنے میز پر رکھ دیں۔

''اف! انھیں یہاں کیوں رکھ دیا۔ اتنی قیمتی شیشے کی میز ہے، اگر ٹوٹ گئی تو.....'' اچانک عالیہ چچی نے منہ بنا کر کہا۔

''امی! پینڈو لوگ ہیں۔ انھیں کیا پتا مہنگی چیزوں کا۔'' ساجد نے کہا تو سب طنزیہ ہنس پڑے۔ کاشف کا چہرہ خفت سے سرخ ہوگیا۔

''اور کچھ؟'' رضا چاچو نے طنزیہ انداز میں پوچھا۔

''جی، ایک بات کہنی تھی۔'' کاشف نے مدھم انداز میں کہا۔

''ضرور کچھ مانگنا ہوگا، جس دن سے دعوت کی ہے آپ کے رشتے دار بہانے بہانے سے پیسے مانگ رہے ہیں۔'' عالیہ چچی نے منہ بنا کر کہا۔

''کیا کریں بے چارے، کبھی کچھ دیکھا جو نہیں۔'' وجاہت نے طنز کیا۔

''آپ سب پہلے میری بات سن لیں، تاکہ اتنی طاقت ضائع ہونے سے بچ جائے۔'' کاشف نے سختی سے کہا تو سب اس کے لہجے پر حیران رہ گئے۔

''میرے والد نے ہماری تربیت اور پرورش رزق حلال پر کی ہے۔ میرے والد نے ساری عمر لوگوں میں علم بانٹا ہے، انھیں نیکی کی راہ دکھائی ہے۔

ایک بار ہمارے امام مسجد نے ایک حدیث سنائی تھی، جس کا مفہوم مجھے اس دن سمجھ میں نہیں آیا تھا، مگر آج سمجھ گیا ہوں۔'' کاشف نے کہا۔

''کون سی حدیث؟'' رضا چاچو نے پُرتجسس انداز میں پوچھا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

صرف دو آدمیوں پر رشک کرنا چاہیے، ایک اس آدمی پر جسے اللہ تعالیٰ

بقیہ صفحہ نمبر 30 پر

# باہمّت لڑکی

ہاجرہ احمد عالم۔کراچی

''حیرہ'' ایک پیاری سی لڑکی ہے، جو مصر میں دریائے نیل کے کنارے موجود بستی میں رہتی ہے۔ وہاں سب لوگ متوسط طبقے سے تعلق رکھتے ہیں، لیکن حیرہ کے گھر والے بہت غریب ہیں۔

حیرہ کے والد لکڑیاں کاٹ کر فروخت کرتے ہیں، جس سے بمشکل اتنی آمدنی ہوتی ہے کہ وہ ایک وقت کا کھانا بھی مشکل سے کھاتے ہیں۔

ان کا گھر ایک کمرے، صحن اور ایک غسل خانے پر مشتمل ہے۔ رہا باورچی خانہ تو صحن میں ہی ایک کونے میں کچھ اینٹیں رکھ کر بنالیا گیا ہے۔

حیرہ اور اُس کے گھر والے صبح سویرے اٹھ جاتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں، پھر حیرہ گلی کے کونے پر سرکاری نل سے پانی بھر کر لاتی ہے، تب تک اس کی والدہ روٹی کے ٹکڑے پانی میں بھگو کر رکھتی ہیں، پھر سب ناشتا کر کے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں۔

پھر حیرہ اپنا سپارہ لے کر مسجد، قرآن پاک پڑھنے جاتی ہے۔ وہاں بستی کے بہت سے بچے آتے ہیں۔ ایک گھنٹے کے بعد سب کی چھٹی ہوجاتی ہے تو سب بچے اپنے اسکول چلے جاتے ہیں، جب کہ کچھ عرصہ پہلے تک حیرہ اپنے والد کے ساتھ جنگل میں جاتی۔ وہ لکڑیاں کاٹتے اور حیرہ جنگل میں بھاگتی پھرتی۔

بچو! کئی جانور اُس سے مانوس ہوگئے تھے، جن میں ٹوٹو خرگوش، ٹونی بلی، ہرنی اور اُس کے بچے، گولو بھالو شامل ہیں۔ وہ سب ساتھ کھیلتے۔ جنگل کی صاف تازہ ہوا اور صبح کا وقت، اف کیا منظر ہوتا ہے! اکثر سب مل کر اُس کے والد کا ہاتھ بھی بٹاتے۔ دوپہر کو اُس کے والد لکڑیاں فروخت کر کے آتے۔ جنگل سے واپسی پر حیرہ بستی میں آجاتی۔

دوپہر کو اگر کھانا ہوتا تو کھانا کھا کر حیرہ دریائے نیل کے کنارے چلی جاتی۔ یہ دریا اس کا دوست تھا، وہ اپنے دل کی تمام باتیں اس سے کرتی۔ دریائے نیل کی لہروں سے ٹھنڈی ہوائیں اس کے چہرے کو چھوتیں تو اُسے بہت سرور ملتا۔ اسے اپنے وطن سے بہت پیار ہے۔ وہ وہاں بیٹھ کر وطن کے نغمے گنگناتی۔ وہ وطن کے لیے کچھ کرنا چاہتی تھی، وہ بہت پڑھنا چاہتی تھی، تاکہ پڑھ لکھ کر وہ اپنے ملک کے لیے کچھ کر سکے۔

شام کو اُس کی سہیلیاں دریا کے کنارے کھیلنے آتیں تو حیرہ کی اداسی کچھ دور ہوجاتی۔ وہ سب اسکول کی باتیں کرتیں تو حیرہ شوق سے سنتی۔ ویسے تو سب اچھی تھیں، مگر اُنھوں نے کبھی حیرہ کی پڑھائی کے بارے میں فکر نہیں کی۔ اگر وہ کوشش کرتیں تو شام کو اُسے کچھ پڑھا سکتیں تھیں، مگر اُنھیں کبھی اس کا خیال نہیں آیا۔ حیرہ بے چاری صبح بچوں کو اِسکول جاتے دیکھتی تو اُسے بہت دکھ ہوتا کہ کاش وہ بھی پڑھ سکے۔

ایک دن وہ دریائے نیل کے کنارے اداس بیٹھی تھی کہ چچا رحمت وہاں سے گزرے۔ چچا رحمت ترکی سے تعلق رکھنے والے تھے اور مصر میں ایک تعلیمی ادارے سے تعلق رکھتے تھے۔ انھوں نے حیرہ کو اُداس دیکھ کر وجہ پوچھی تو حیرہ نے بتایا کہ وہ غربت کی وجہ سے تعلیم حاصل نہیں کر سکتی۔ چچا نے اس سے پوچھا کہ تم پورا دِن فارغ ہوتی ہو تو کوئی کام کیوں نہیں کرتی، تاکہ تمھارے پاس کچھ پیسے جمع ہوں اور تم بھی تعلیم حاصل کر سکو۔''

''کیا میں؟'' حیرہ نے حیرت سے پوچھا۔ ''میں بھلا کیا کام کر سکتی ہوں؟''

''کیوں نہیں کر سکتیں، ہمت ہو تو اِنسان سب کچھ کر سکتا ہے۔

دیکھو تم اپنے والد کے ساتھ جنگل میں جاتی ہو، جنگل تمھارا دیکھا بھالا ہے۔ جب تک تمھارے والد لکڑیاں کاٹیں تم جنگل سے پھول جمع کرو، پھر گھر لا کر اُن سے ہار اور بالیاں بنا کر فروخت کرو۔

''مم..... میں بھلا کیسے ہار بنا سکتی ہوں اور فف..... فروخت بھلا کیسے کروں گی؟ مجھے شرم آئے گی۔ میری ساری سہیلیاں کیا کہیں گی؟ وہ تو میرا بہت مذاق اڑائیں گی۔'' حیرہ رونے جیسی ہوگئی۔

''دیکھو بیٹا!'' چچا نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے شفقت سے کہا۔ ''کوئی کام مشکل نہیں ہوتا۔ تمھاری دادی بھی یہی کام کرتی تھیں۔ یقیناً تمھاری امی کو بھی آتا ہوگا۔ تم یہ کام سیکھ لو۔ پھولوں کے بنے ہوئے ہاروں کی بہت مانگ ہے۔ اچھے پیسے مل جائیں گے۔ ہاں، محنت ضرور کرنی پڑے گی۔''

''چچا جان!'' حیرہ نے کہا۔ ''میں محنت سے نہیں گھبراتی، مگر میری سہیلیاں؟''

''ہاں، تمھاری یہ بات کہ تمھاری سہیلیاں کیا کہیں گی؟ تو تم مجھے یہ بتاؤ کہ انھوں نے کبھی تمھاری پڑھنے میں مدد کی؟ نہیں نا! تو تمھیں بھی ان کے سوچنے کی پروا نہیں ہونی چاہیے۔

اور سب سے اہم بات یہ کہ محنت میں شرم نہیں کرنی چاہیے۔ تمھیں پتا ہے کہ ہمارے پیارے نبی محمد ﷺ نے بھی بکریاں چرائی ہیں۔

بتاؤ، ان سے بڑا اور عزت والا کون ہے؟ جب انھوں نے محنت میں شرم نہیں کی تو ہم کیوں کریں؟''

حیرہ کی آنکھیں سے آنسو جاری ہوگئے۔ اسے پیارے نبی ﷺ سے بہت محبت تھی۔ وہ مسجد کے معلم سے بہت کچھ ان کی سیرت کے بارے میں سنتی تھی، لیکن یہ بات پہلی دفعہ اس نے سنی تھی۔

حیرہ نے ایک عزم سے آنسو صاف کیے اور چچا سے کہا:

''بہت شکریہ چچا جان! میں ضرور محنت کروں گی، علم حاصل کر کے اپنے ملک کا نام روشن کروں گی اور اپنے حالات درست کروں گی۔''

''شاباش میری بچی!'' رحمت چچا نے خوش ہو کر کہا۔

''اور یاد رکھو، غریب ہونا کوئی عیب نہیں، البتہ دوسروں کے آگے ہاتھ پھیلانا عیب ہے۔''

پیارے بچو! پھر معلوم ہے کیا ہوا؟

حیرہ نے محنت کی اور خوب محنت کی اور اسکول میں داخلہ لیا۔ وہ اب اپنا پھولوں کے ہار بنانے کا کام اسکول سے آ کر کرتی ہے۔

اس نے اپنا نظام الاوقات بنالیا ہے۔

اسکول سے آ کر وہ کھانا کھا کر آرام کرتی ہے، پھر اُٹھ کر ہار بناتی ہے، پھر شام کو اپنے کھیلنے کی جگہ وہ انھیں فروخت کرنے جاتی ہے۔ وہ اپنا ہوم ورک اسکول میں ہی مکمل کر لیتی ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ حیرہ اسی طرح محنت کرنے سے کام یاب ہو جائے گی۔

مگر عزیز قارئین! کیا آپ لوگوں نے نظام الاوقات بنایا ہے؟

آپ بھی عزم کریں کہ ہم بھی محنت اور جدوجہد سے علم حاصل کریں گے اور اپنے ملک کی خدمت کریں گے۔

پیارے بچو! اب دیکھتے ہیں، کون کام یاب ہوتا ہے؟

آپ.....

حیرہ..... یا، یا، یا

سب محنتی بچے.....

# محمد بن قاسم (جدید)

بلال ہاشم۔ کراچی

''ہم خاتم الرسل ﷺ کی نام لیوا باعزت خواتین آج ایک نجس ہندو راجا کی قید میں سوالیہ نگاہوں سے اپنے مسلمان بھائیوں کی طرف دیکھ رہی ہیں۔ ہماری آزادی ایک بت پرست کافر کے ہاتھ میں ہے، جسے نہ خدا کا کوئی خوف ہے اور نہ ہی عہد و پیماں کا کچھ پاس، مگر مجھے پوری امید ہے کہ میرے خون سے لکھی گئیں یہ چند سطور غیرت مند اِسلامی خون کو گرما دینے کے لیے کافی ہوں گی۔

والسلام

ایک مظلوم مسلمان بہن

سترہ سالہ خوب رُو جوان محمد بن قاسم کے ہاتھ اس خط کو تھامے لرز رہے تھے۔ وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے اس خط کو دیکھ رہا تھا۔ اب اس کے دانت بھی بجنا شروع ہو گئے تھے، بالآخر اُس نے جھنجھلا کر زور سے کہا:

''حد ہو گئی یار! اتنی سردی میں مجھے باہر بلا کر یہ دیا ہے! ایک تو خط لکھنے والے بھی نا! ای۔میل ہی کر دو۔ نہیں تو فیس بک پر پوسٹ لگا دو۔ میں خواہ مخواہ سمجھا کہ شاید میرا کوئی آن لائن آرڈر پہنچ گیا ہے، اور پھر لکھنے کا طریقہ دیکھو، جیسے یہاں بابائے اردو اُن کا خط پڑھنے کے لیے بیٹھے ہوئے ہیں۔''

محمد بڑبڑاتا ہوا اندر آ رہا تھا۔ قاسم صاحب جو ایک سوفے پر دراز خبریں پڑھ رہے تھے، اسکرین پر نظریں جمائے بولے:

''کون تھا؟''

''کوئی نہیں بابا! ایسے ہی کسی کا خط تھا۔ امداد کی اپیل تھی۔''

''ایک تو یہ امداد مانگنے والے اتنے ہو گئے ہیں کہ انسان اپنا کام کوئی تو کر ہی نہیں سکتا۔'' قاسم صاحب نے اسی نیم توجہی کی کیفیت کے ساتھ تبصرہ فرما کر اپنی ذمے داری پوری فرمائی۔

محمد اُس خط کو اَب اپنے کمرے میں لے آیا تھا۔ وہ خط اس نے لاپروائی سے اپنی میز پر رکھ دیا اور گیم کھیلنے لگا۔ اسی دوران میں والدہ نے آواز دی۔ محمد بے زاری سے اٹھ کر اُن کے کمرے میں گیا۔ وہ اپنے موبائل کو غصے سے دیکھ رہی تھیں، بولیں:

''بیٹا! دیکھو، واٹس ایپ پھر ہینگ ہو گیا ہے۔ کتنی مرتبہ تمھارے بابا سے کہہ چکی ہوں کہ میں اس گھٹیا موبائل کو بدلنا چاہتی ہوں، ہر بار کوئی نہ کوئی بہانہ کر دیتے ہیں۔''

''مگر امی! یہ موبائل تو آپ نے دو مہینے پہلے ہی لیا تھا نا!؟''

''ہاں، مگر اِس سے کیا فرق پڑتا ہے؟ بیٹا! ہمیں لوگوں سے منسلک رہنے اور ''کنکٹڈ (connected)'' رہنے کے لیے بہتر سے بہتر ڈوائس کی ضرورت ہوتی ہے، ورنہ تو ہم سب سے کٹ کر رہ جائیں گے۔''

کنکٹڈ والی بات سے محمد کے ذہن میں اچانک اسی مظلوم بہن کا خط آ گیا۔ وہ سوچنے لگا کہ کیا یہ کنکٹڈ رہنا ہمیں دوسروں کے غم میں شریک اور اُن کا مددگار بھی بنا رہا ہے یا محض وقت گزاری ہے؟

کیا ہم اس دور کے مسلمان دوسرے مسلمانوں سے زیادہ کنکٹڈ ہیں یا آج سے ہزار سال قبل کے مسلمان زیادہ کنکٹڈ تھے، جو اپنے بھائیوں اور بہنوں کی آواز پر سمندر اور صحرا پار کرتے ہوئے مدد کو پہنچ جاتے تھے؟

''کیا سوچ رہے ہو؟ اسے صحیح کر کے دو نا!''

والدہ کی ڈانٹ پر وہ

خیالات کی دنیا سے باہر آ گیا اور موبائل کو دیکھنے لگا۔

''امی! یہ تو دیکھیں، آپ نے اتنی ساری ایپس (apps) کھول رکھی ہیں، ان کے ہوتے ہوئے تو کوئی سپر کمپیوٹر بھی ہینگ ہو جائے۔ اس نے ایک ایک کر کے سب ایپس بند کیں۔ آخر موبائل نے کام شروع کر دیا۔

والدہ اس سے موبائل لے کر پھر مشغول ہو گئیں۔ اچانک کچھ یاد آنے پر بولیں: ''ہاں، وہ تمھاری تیاری کیسی چل رہی ہے؟''

''اللہ کا شکر ہے! ہو رہی ہے۔'' محمد رسمی سا جواب دے کر باہر آ گیا۔

صبح محمد دیر سے اٹھا۔ اسے یاد آیا کہ او۔ لیول میتھس کی تیاری کے لیے آج ایک گرینڈ ٹیسٹ ہے۔

وہ جلدی سے میز سے کتابیں اٹھانے لگا۔ ایک دم اس کی نظر اُسی خط پر پڑی:

''مگر مجھے پوری امید ہے کہ میری خون سے لکھی گئی یہ چند سطور غیرت مند اِسلامی خون کو گرما دینے کے لیے کافی ہیں۔''

ایک لمحے کے لیے محمد پھر سوچ میں ڈوب گیا۔ اس کے سامنے وہ منظر گھوم گیا جس میں ایک بے حس، خداد شمن راجا مسلمانوں کو بیڑیوں میں جکڑے ان پر ظلم کے پہاڑ توڑ رہا تھا۔ اس کے کارندوں کے وحشیانہ قہقہے بلند ہو رہے تھے اور خدا کے نام لیوا بلبلا رہے تھے۔ ان کے جسموں پر واجبی سے کپڑے تھے اور ننگے بدن سے جگہ جگہ سے خون رِس رہا تھا۔ ان کے بالوں اور ڈاڑھیوں کو بُری طرح نوچا جا رہا تھا اور وہ اپنے بھائیوں کو پکار رہے تھے: ''اب تو آ جاؤ، اب تو آ جاؤ، اب تو آ جاؤ، اب تو آ جاؤ.....''

جب ''اب تو آ جاؤ'' کا سلسلہ ضرورت سے زیادہ طویل ہو گیا تو محمد یک دم چونک پڑا۔ باہر اُس کا دوست زبیر موٹر سائیکل پر آیا ہوا تھا اور باہر آنے کے لیے ''اب تو آ جاؤ، اب تو آ جاؤ'' کی آوازیں لگا رہا تھا۔ محمد جلدی سے باہر نکلا۔

زبیر برس پڑا:

''کب سے چیخ رہا ہوں۔ تیاری میری بھی نہیں ہے، مگر پہنچتا تو وقت پر ہوں نا!''

''یہ بات نہیں ہے زبیر!''

''پھر کیا بات ہے؟''

''بات یہ ہے کہ مجھے ایک دکھی کر دینے والا خط ملا ہے۔''

''پرنسپل صاحب کی طرف سے ہوگا۔ یار! کب سے کہہ رہا ہوں کہ.....''

''پہلے میری توسن تو لو ایف ایم ۱۰۰!'' محمد چڑ کر بولا۔

''یار! یہ خط ایک دکھی بہن کی طرف سے ہے، جو دیبل کے راجا داہر کی قید میں ہے۔ وہ مجھے، تمھیں، بل کہ سب مسلمان نوجوانوں کو مدد کے لیے پکار رہی ہے۔ وہ مجبور ہے اور ہماری طرف دیکھ رہی ہے۔ کیا ہمارا یہ فرض نہیں بنتا کہ ہم اس کی مدد کو پہنچیں؟''

''زبیر نے موٹر سائیکل روک کر محمد کی آنکھوں میں دیکھا، جس میں آنسو تیر رہے تھے۔

''کیا تم رو رہے ہو؟'' زبیر نے پوچھا۔

''نہیں یار! ٹھنڈی ہوا سے آنکھوں میں پانی آ گیا ہے۔ آہستہ چلاؤ نا موٹر سائیکل۔ خیر، تمھارا اِس بارے میں کیا خیال ہے؟''

زبیر نے جمائی لیتے ہوئے جواب دیا:

''یار! اول تو ابھی ہم بہت چھوٹے ہیں۔ آج بھی والدہ نے مجھے بہت تاکید سے کہا ہے کہ میں اجنبی لوگوں سے نہ ملا کروں۔''

''مگر زبیر! سترہ سال کا لڑکا کیا نہیں کر سکتا؟ کیا صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی اسی عمر میں جنگوں میں کارنامے انجام نہیں دیے تھے؟ خود ہی بتاؤ، حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے جب ڈاکوؤں کے ایک گروہ کو شکست دی تو کیا ان کی عمر بارہ سال نہیں تھی؟ کیا حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری زمانے میں لشکر کے امیر بن کر روانہ ہوئے تو ہماری سی عمر کے نہیں تھے؟ کیا.....''

زبیر جمائیاں لے رہا تھا۔

''یار! تم نے میتھس کی تیاری کر لی ہے؟'' اس نے پوچھا۔

محمد ایک دم چونکا: ''ہاں، نہیں، پتا نہیں۔''

''تو اَب منہ بند رکھو اور جلدی چلو۔'' یہ کہہ کر زبیر نے پھر موٹر سائیکل دوڑائی اور ٹھنڈی ہوا سے نازک اندام محمد کی آنکھوں میں پھر آنسو آ گئے۔

میتھس کا ٹیسٹ جیسا کہ امید تھی، محمد کا اچھا نہیں ہوا اور اَب وہ عذر خواہی کے لیے میتھس کے سر کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔

''سر! دراصل وہ.....''

''ہاں ہاں، بولو بیٹا! مجھے لگ رہا ہے کہ تم کچھ پریشان ہو۔'' میتھس کے سر جو کہ ایک نرم مزاج تجربہ کار اُستاد تھے، بولے۔

''سر! وہ مجھے ظالموں کی قید میں ایک مظلوم خاتون کا خط موصول ہوا

ہے جو نوجوانوں کو مدد کے لیے پکار رہی ہے۔ سر! میں......''

سر بات کاٹ کر بولے:

''محمد بیٹا! اول تو ابھی تم خود بہت چھوٹے ہو، پھر تم اپنے والدین پر منحصر ہو۔ دیکھو، ابھی تو تمھاری سیکھنے کی عمر ہے، پھر تمھیں ایک ''کیریئر'' بنانا ہے، معاشرے میں اپنا مقام بنانا ہے، اپنے والدین کو کما کر دینا ہے، پورے خاندان کا سہارا بننا ہے۔ یہ تم کن چکروں میں پڑ گئے ہو؟''

''سر! مگر اُن مظلوموں کا کیا ہوگا جن پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے جا رہے ہیں۔ جن کی زندگی، جن کی عزت و آبرو سب بے رحم دشمن کے ہاتھ میں ہے۔ سر! کیا درندہ صفت دشمن ہمارے کیریئر اور مقام کا انتظار کرتا رہے گا؟ کیا کوئی بھی ان مظلوموں کے لیے کھڑا نہیں ہوگا؟ پھر کیا کیریئر بنانے کے بعد ہم ان کی مدد کرنے جائیں گے یا مال کمانے کی دوڑ میں ہی لگ جائیں گے؟''

سر کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔ وہ اچانک اٹھ کھڑے ہوئے اور بولے:

''جاؤ، پھر دنیا بھر کی مدد کرو، یہاں میتھس کے دورانیے میں کیا کرنے آتے ہو؟ امتحان سر پر ہیں، تیاری خاک نہیں ہے اور یہ چھوٹے میاں دوسروں کی مدد کرنے چلے ہیں۔ اچھا یہ بتاؤ کہ کبھی ایک دن اکیلے گھر سے باہر رہے ہو؟ کبھی معمولی سے ڈاکوؤں کا سامنا کیا ہے؟ بڑے آئے دوسروں کی مدد کرنے والے۔''

اکیلے گھر سے باہر رہنے کی بات سے محمد کو یاد آیا کہ ایک بار اُسے زبیر کے گھر سے پارٹی سے آتے ہوئے کچھ رات ہوگئی تھی۔ واپسی کا راستہ دس منٹ کا تھا اور زبیر نے کسی وجہ سے واپس چھوڑنے سے معذرت کر لی تھی، بابا بھی فارغ نہیں تھے تو محمد کو اکیلے آنا پڑا تھا۔ اف اللہ! کتنی خوف ناک رات تھی۔ یہ سوچ کر محمد کانپنے لگا۔

دو دِن بعد محمد کے والد قاسم صاحب کو بلایا گیا اور ایک ڈانٹ انھیں بھی سنائی گئی، پھر او۔لیول کے سر پر کھڑے امتحانات، محمد کی کمزور حالت اور میتھس کی اہمیت پر سیر حاصل گفتگو ہوئی اور قاسم صاحب ''بڑے بے آبرو ہو کر ترے کوچے سے ہم نکلے'' کے مصداق بن کر محمد پر پیچ و تاب کھاتے واپس آ گئے۔ اس دن شام کو محمد کی جو کلاس ہوئی اس کا اندازہ سب کر سکتے ہیں۔

محمد کا اگلا دن کمرے میں گزرا۔ وہ کسی سے بات نہیں کرنا چاہ رہا تھا۔ ایک طرف امتحانات کا دباؤ اور پریشانی اور دوسری طرف ایک مسلمان بہن کا تڑپا دینے والا خط۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔ رات نہ جانے کب تک محمد جاگتا رہا۔ اگلے دن وہ بخار میں تپ رہا تھا۔ بخار دو دِن میں اترا، مگر محمد بدستور بجھا بجھا سا تھا۔

قاسم صاحب اور اُن کی بیگم بھی کافی پریشان تھے کہ ان کے لختِ جگر کو کیا ہو گیا ہے۔ اس وقت یہ دونوں گوگل پر اِس قسم کی پریشانی کا حل ڈھونڈ رہے تھے۔ کافی تلاش کے باوجود بھی جب کوئی حل دل کو نہ لگا تو دونوں آپس میں مشورہ کرنے لگے کہ کیا کریں۔ اچانک قاسم صاحب کو امین صاحب کا خیال آیا جو محمد کے اسلامیات کے استاد تھے اور محمد اُن سے کافی متاثر تھا۔

''کیوں نہ ہم اس کے اسلامیات کے استاد صاحب سے بات کریں کہ وہ اسے سمجھائیں۔'' قاسم صاحب بولے۔

''ہم، مگر وہ بھی اگر اس نتیجے پر پہنچے کہ محمد صحیح سوچ رہا ہے اور ہمیں واقعی مظلوموں کی مدد کرنی چاہیے تو کیا ہوگا؟'' محمد کی والدہ فکرمندی سے بولیں۔

''نہیں نہیں، ان شاء اللہ! ایسا نہیں ہوگا۔ وہ سمجھ دار آدمی ہیں، ایسی ''ناسمجھی'' کی بات کیوں کریں گے؟''

''چلیں آپ ان سے کوئی وقت لے لیں۔'' والدہ رضامند ہو کر بولیں۔

دو دِن بعد قاسم صاحب اور محمد، امین صاحب کے گھر میں بیٹھے ہوئے تھے۔ امین صاحب جو دین کی اچھی ''معلومات'' رکھتے تھے اور ایک کام یاب اسلامیات کے استاد ہونے کے ساتھ ساتھ بچوں کی ذہن سازی میں بھی کمال رکھتے تھے، ان کی بات توجہ سے سن رہے تھے۔ آخر وہ محمد سے مخاطب ہو کر بولے:

''دیکھو محمد! مسلمانوں کی اس وقت کی سب سے بڑی ''ذمے داری'' یہ ہے کہ اچھا پڑھ لکھ کر آگے بڑھیں۔ بڑی بڑی یونی ورسٹیوں میں داخلہ لے کر کفار کا مقابلہ اپنی قابلیت سے کریں، تلوار سے نہیں۔ یہی اس وقت کا ''جہاد'' ہے۔ اس وقت ہمیں قابل لوگوں کی بہت ضرورت ہے۔

امت مسلمہ کو ایسے قابل لوگ چاہییں جو تمھاری طرح ایمانی غیرت سے بھی لبریز ہوں اور معلومات اور شعور بھی بہت رکھتے ہوں۔ جب اس طرح کے بہت سے نوجوان تیار ہو جائیں گے تو کفار کے دلوں میں مسلمانوں کی عظمت اور قدر خود بیٹھ جائے گی اور مسلمانوں پر ظلم وستم ختم ہو جائے گا۔

دیکھو، تم پڑھو لکھو، اپنا کیریئر بناؤ اور اپنے والدین اور ملک وملت کا سہارا بنو۔ تم دوسرے نوجوانوں کے لیے ایک مثال بن سکتے ہو، پھر

جب تم علمی سطح پر مسلمانوں کے لیے آواز اُٹھاؤ گے تو تمھاری بات سنی جائے گی اور مانی بھی جائے گی۔''

اس دوران میں ''فرطِ جذبات'' سے امین صاحب کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے اور محمد گہری سوچ میں ڈوب گیا تھا۔ آخر محمد نے ایک گہرا سانس لیا اور پُرعزم لہجے میں بولا:

''میں سمجھ گیا کہ مجھے کیا کرنا ہے۔ میرا اولین فریضہ او۔ لیول کے امتحانات اچھی طرح دینا ہے، تب ہی میں کوئی اچھا کام کرسکتا ہوں۔ میرا کام دور جاکر کسی کی مدد کرنا نہیں، بل کہ اپنے آپ کو، اپنے والدین کو اور اپنے وطن کو ''سپورٹ'' کرنا ہے۔''

''یہ ہوئی نا بات!'' قاسم صاحب جوش سے بولے۔ ان کے چہرے پر امین صاحب کے لیے تشکر کے جذبات تھے۔

اس رات محمد اُس خط کو بے زاری سے دیکھ رہا تھا۔ محمد سوچ رہا تھا کہ اس خط کی وجہ سے اس کا پورا ہفتہ خراب ہوا۔ اسکول سے شکایت بھی آگئی، کہیں باہر بھی آجا نہیں سکا، دوستوں کے ساتھ میل جول بھی رہ گئی اور تو اور، گیم بھی نہیں کھیل سکا۔

اب محمد کو اُس خط پر اور اُس کے لکھنے والے پر بے تحاشا غصہ آرہا تھا۔ آخر اُس نے اس خط کو اُٹھایا اور پُرزے پُرزے کرکے لاپروائی سے اپنی کھڑکی سے باہر اُچھال دیا۔

کھڑکی سے نکلتے ہوئے کاغذ کے یہ ٹکڑے ہوا کے ایک ہی جھونکے سے منتشر ہوگئے، گویا زبانِ حال سے یہ کہہ رہے ہوں کہ جس قوم سے غیرت اور حمیت ختم ہوجائے وہ زمانے کی ہوا کے دوش پر ایسے ہی منتشر اور بے حیثیت ہوجاتی ہے۔

# بقیہ: شیشے کا محل

نے مال دیا ہو اور وہ اس میں سے رات دن (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتا رہتا ہو، دوسرے اس آدمی پر جسے اللہ تعالیٰ نے علم دین دیا ہو اور وہ رات دن اس کا حق ادا کرتا ہو۔'' (سنن ترمذی، 1936)

''اب آپ سب ایمان داری سے بتائیں کہ کیا آپ لوگ رضا چاچو پر ایسے ہی رشک کرسکتے ہیں جیسے میں اپنے والد صاحب پر کرتا ہوں؟'' کاشف کے سوال پر سب کو سانپ سونگھ گیا۔

''کیا مطلب ہے تمھارا؟'' رضا چاچو کے چہرے کا رنگ اڑ گیا تھا۔ کاشف مسکرا دیا۔

''رضا چاچو! آپ کو اللہ تعالیٰ نے اتنا کچھ دیا ہے، مگر آپ کا دِل بہت چھوٹا ہے، جب کہ میرے والد صاحب کے پاس آپ جتنا پیسا تو نہیں ہے، مگر اُن کا دل بہت بڑا ہے۔ وہ اپنے پرائے سب کی مدد کرنے کے لیے ہمیشہ تیار رہتے ہیں۔ مجھے اپنے والد پر فخر بھی ہے اور رشک بھی کہ جنھوں نے اپنے اچھے عمل اور تربیت سے ہماری دنیا بھی بنادی اور آخرت بھی۔ اچھا، چلتا ہوں۔''

کاشف ان سب کو حیران پریشان چھوڑ کر وہاں سے نکل آیا۔ وہ گھر واپس آیا تو آتے ہی اپنے والد صاحب سے لپٹ گیا۔

''کیا ہوا لڑکے؟ پہلے نہا دھو کر کپڑے تو تبدیل کرلو۔'' ماں نے دیکھا تو اُسے ڈانٹا، مگر اعجاز صاحب نے ہاتھ کے اشارے سے منع کردیا۔

''ابو! مجھے آپ کو کچھ بتانا ہے۔'' کاشف نے کہا۔

''بولو بیٹا!'' اعجاز نے نرمی سے کہا۔ کاشف، والد سے الگ ہوا۔

''ابو! مجھے آپ پر فخر بھی ہے اور رشک بھی۔'' کاشف نے کہا تو سب نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

''کیا مطلب!؟'' اعجاز صاحب نے حیرت سے سوال کیا تو کاشف نے انھیں سارا ماجرا سنایا۔ اعجاز صاحب پہلے تو حیران ہوئے اور پھر مسکرانے لگے۔

''اچھا ہوا کہ تم وقت پر جان گئے کہ شیشے سے بنا محل پائے دار نہیں ہوتا۔'' اعجاز صاحب نے اطمینان بھرے انداز میں کہا۔

''ابو! میں آئندہ کسی کے ظاہر اور دولت کو دیکھ کر متاثر نہیں ہوں گا۔'' کاشف نے عہد کیا تو سب مسکرا دیے۔

اپنے بچوں کو حق اور سچائی کے راستے پر چلانا تمام والدین کا فرض بھی ہوتا ہے اور اُن کی خواہش بھی۔ پروفیسر اعجاز صاحب خوش تھے کہ ان کا بیٹا سچائی اور حق کے راستے کو پہچان گیا ہے۔

# سونف

سعد علی چھیپا۔ کراچی

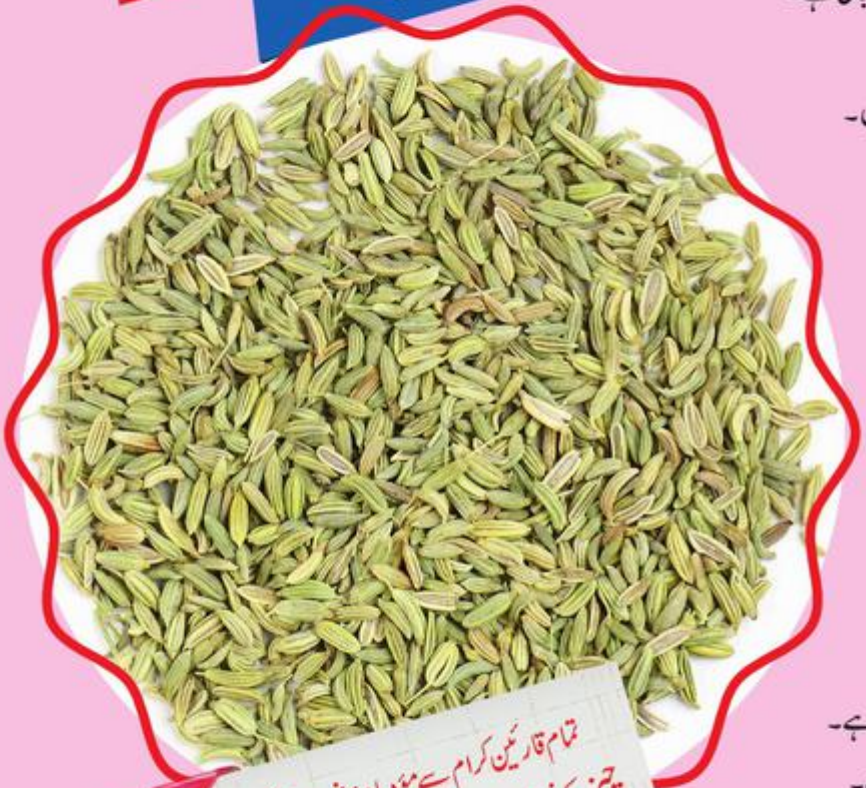

سونف ایک عام جڑی بوٹی ہے، جو کہ انسانی صحت کے لیے کسی تحفے سے کم نہیں۔ اس کے چھوٹے چھوٹے ہرے ہرے دانے انسانی صحت کے لیے بیش بہا فوائد اپنے اندر سموئے ہوئے ہیں۔ سونف کئی امراض کے لیے انتہائی کارآمد ہیں۔ اس کا مزاج گرم کہلاتا ہے۔

ماہرین کے مطابق سونف معدے کی کارکردگی اور اُس کی صفائی، مضرِ صحت مادوں کے جسم سے اخراج، خون کی صفائی، آنتوں کی صحت اور جلد کے لیے بے حد فائدہ مند ہے۔

سونف کے فوائد:

☆ سونف گردے اور مثانے کا ورم دور کرنے کے لیے بہت موثر غذا سمجھی جاتی ہے۔

☆ بینائی کو قائم رکھنے کے لیے بھی فائدہ مند ہے۔

☆ دردِ شکم کو فوری دور کرنے کے لیے سونف کے تیل کی چند بوندیں مفید ہیں۔

☆ سونف کی جڑ پینے سے کمر درد میں بہتری آتی ہے۔

☆ سونف کی جڑ معدے کی فضول رطوبت کو خارج کرتی ہے۔

☆ سونف دماغ کی کمزوری دور کرنے کے لیے بہترین دوا ہے۔

☆ سونف تلی اور مثانے کے امراض کو درست کرتی ہے۔

☆ سونف بلغم کو دور کرتی ہے۔

☆ سونف جگر کے افعال کو کام کرنے میں مدد دیتی ہیں۔

☆ سونف دل کی دھڑکن بہتر بناتی ہے۔

☆ سونف کی جڑ دائمی قبض کے لیے مفید ہے۔

☆ سونف کا سفوف معدے کی جلن کو دور کرتا ہے۔

☆ سونف ذیابیطس کے شکار افراد کو اِس مرض سے لڑنے میں بھی مدد دیتی ہے۔

☆ بچوں کو عرق سونف پلانے سے ان کی بدہضمی کی شکایت دور ہو جاتی ہے۔

☆ منہ میں تھوڑی سی سونف ڈال کر چباتے رہنے سے بیٹھی ہوئی آواز ٹھیک ہو جاتی ہے۔

☆ سونف کا سفوف بخار میں ہونے والی متلی کو روک دیتا ہے اور معدے کی سوزش کو دور کرتا ہے۔

☆ سونف جراثیم کش خصوصیات کے باعث مسوڑوں کو بھی مضبوط بناتی ہے، جس سے ورم یا سوجن کی روک تھام ہوتی ہے۔

☆ سونف کے استعمال سے پیٹ درد کم ہوتا ہے اور نظام ہاضمہ بہتر ہوتا ہے۔

☆ سونف کا استعمال جسم سے گیس کو بھی خارج کرتا ہے اور پیٹ پھولنے کا مسئلہ حل ہوتا ہے۔

☆ سونف کا استعمال سانس کے مسائل کو حل کرنے میں مددگار ثابت ہوتا ہے۔ یہ پھیپھڑوں کے لیے بھی فائدہ مند ہے۔

☆ جوڑوں میں ورم کے حوالے سے سونف کا استعمال فائدہ مند ہے۔

تمام قارئین کرام سے مؤدبانہ عرض ہے کہ کسی بھی چیز کے فوائد پڑھ کر اسے زیادہ نہ کھائیں، بل کہ اس کا استعمال اعتدال سے کریں اور اگر آپ کو کوئی خاص بیماری ہے تو اپنے ڈاکٹر سے مشورہ کرکے کوئی بھی غذا استعمال کریں۔

# روبھی سکتا ہے

مریم شہزاد۔ کراچی

اسکول میں آدھی چھٹی کا وقفہ تھا۔

کچھ بچے کھیل رہے تھے، کچھ بچے لنچ کر رہے تھے۔ کچھ بچے ایسے بھی تھے جو نہایت بدتمیزی سے بھاگم دوڑی کر رہے تھے، جس کی وجہ سے دوسرے بچوں کو چوٹ بھی لگ رہی تھی۔

ایک بچہ دوسرے بچوں کی پٹائی کر کے ان کا لنچ چھین رہا تھا۔ اس بچے نے دور سے احمد کو پیزا کھاتے دیکھا تو وہ جلدی سے اس کا پیزا لینے کے لیے لپکا، مگر اُس کے پہنچنے سے پہلے ہی احمد پیزا ختم کر چکا تھا۔ اس نے غصے میں احمد کو ایک تھپڑ مارا اور بھاگ گیا۔

احمد کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، مگر اُس نے خود کو رونے سے روک لیا۔

احمد ایک خاموش اور سنجیدہ سا بچہ تھا، جو شرارتیں بھی نہیں کرتا تھا اور کچھ ڈرا سہما سا رہتا تھا۔ اس کا اسکول میں صرف ایک ہی دوست تھا، جس کا نام یوسف تھا۔

یوسف یہ سب دیکھ رہا تھا۔

''جب معیز نے تمھیں مارا تو تم روئے کیوں نہیں؟'' یوسف نے احمد سے پوچھا۔

''میں بڑا ہوں نا، اس لیے۔ امی کہتی ہیں: بڑے بچوں کو رونا نہیں چاہیے۔'' احمد نے کہا۔

''لیکن تمھیں رونا تو آ رہا تھا، اور تم بڑے کیسے ہو گئے؟ تم بھی چھے سال کے ہو اور میں بھی چھے سال کا ہوں، لیکن میں تو بہت روتا ہوں اگر کوئی مجھے مارے۔ مجھے تو کوئی نہیں کہتا کہ تم بڑے ہو گئے ہو!'' یوسف نے حیران ہو کر کہا۔

''مجھے نہیں پتا، شاید میرے تو دو چھوٹے بھائی بہن اور بھی ہیں، اس لیے میں بڑا ہوں۔''

''دو بھائی تو میرے بھی ہیں، مگر وہ مجھ سے بڑے ہیں، مگر ہیں تو ہم دونوں چھے سال کے، پھر تم بڑے اور میں چھوٹا کیسے ہو گیا؟''

ان دونوں کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ایسا کیوں ہے۔ آخر احمد نے کہا:

''ایسا کرتے ہیں کہ میں اپنی امی سے پوچھوں گا کہ میں کیوں نہیں رو سکتا اور میں کیوں بڑا ہوں اور تم کیوں چھوٹے ہو اور تم اپنی امی سے پوچھنا۔''

گھر آ کر اُس نے امی سے پوچھا تو امی یک دم چونک گئیں۔

''واقعی چھے سال کا بچہ، بچہ ہی تو ہوتا ہے۔ اگر گھر میں سب بچوں میں بڑا ہے تو کیا ہوا؟ ہے تو ابھی بچہ ہی۔'' وہ سوچ میں پڑ گئیں۔

''پتا نہیں، ہم کیوں بڑے بچوں کو اِتنا بڑا سمجھ لیتے ہیں کہ وہ اپنا بچپن ختم کر لیتے ہیں۔ اس پر ابھی سے اگر پابندیاں لگا دیں تو پتا نہیں کیا نتیجہ نکلے گا۔

انھوں نے چھوٹے علی کو گود سے اتارا اور احمد کو گود میں لے کر بہت سارا پیار کیا اور کہا:

''میرا احمد بھی چھوٹا سا ہی ہے، وہ بھی رو سکتا ہے، ضد بھی کر سکتا ہے، بس وہ ابھی سے بھائی جان بن گیا ہے نا! تو گھر میں اسے تھوڑا سا بڑا بننا پڑتا ہے، ورنہ اسکول میں تو وہ بھی سب بچوں جیسا چھوٹا سا بچہ ہے، جو شرارت بھی کر سکتا ہے اور چوٹ لگے تو رو بھی سکتا ہے۔'' امی نے اسے ایک دفعہ پھر پیار کیا تو احمد بہت زیادہ خوش ہو گیا اور بولا:

''اچھا تو آپ مجھے پیار بھی کر سکتی ہیں نا! ابھی تو میں بھی چھوٹا ہوں نا!''

بقیہ صفحہ نمبر 54 پر

جھوٹوں کے جھوٹے ۲۵

# ۷۔ مغیرہ بن سعید عجلی

حافظ محمد دانش عارفین حیرت۔ لاہور

مغیرہ بن سعید عجلی نے اب اپنی سرگرمیوں کو خفیہ انداز میں بڑھانا شروع کیا۔ اس نے اپنے شرم ناک عقائد کو بیان کرنے کے لیے پہلے کہا:

''اللہ میاں انسان کی شکل میں موجود ہیں۔ ان کے دل سے حکمت کے چشمے پھوٹتے ہیں۔''

اس کے علاوہ بھی اس نے مزید بے سروپا باتیں کیں۔

بہرحال، مغیرہ چوں کہ خفیہ طور پر اپنے کام سرانجام دے رہا تھا اس لیے گرفتاری سے بچا ہوا تھا۔ ادھر خلیفہ وقت نے گورنر خالد عبداللہ قسریٰ پر سختی کردی کہ مغیرہ کو جلد از جلد گرفتار کیا جائے اور اُس کے فتنے کا خاتمہ کیا جائے۔

گورنر خالد عبداللہ قسریٰ نے اپنی سرگرمیاں تیز کردیں۔ ان کے سپاہی جگہ جگہ مغیرہ بن سعید عجلی کی تلاش میں چھاپے مارنے لگے اور بالآخر ایک روز مغیرہ بن سعید عجلی کو اُس کے ساتھیوں سمیت گرفتار کرلیا گیا۔ اس کے یوں گرفتار ہونے کی خبر چھپ نہ سکی اور جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ اس خبر کا پھیلنا تھا کہ اس کے شرمندہ ہونے والے عقیدت مند اُمڈ اُمڈ کر باہر آگئے اور اپنے جعلی نبی سے عقیدت و اِحترام کا اظہار کرنے لگے۔ انھوں نے چلانا شروع کردیا:

''ہم اپنے نبی پر اپنی جان بخوشی قربان کرسکتے ہیں۔''

مغیرہ بن سعید عجلی ان لوگوں کو دیکھ کر اور اُن کی باتیں سن کر خوشی سے پھولا نہ سماتا تھا۔ اپنے اردگرد اِتنے عقیدت مندوں کو دیکھ کر اُس کا سیروں خون بڑھ گیا تھا۔ یوں ہی اسے قید میں ڈال دیا گیا۔

اس کے قید خانے میں جانے کے بعد گورنر خالد عبداللہ قسریٰ اس سے ملاقات کے لیے تشریف لائے اور پوچھا:

''کیا تم اپنے کیے پر شرمندہ ہو؟''

مغیرہ بن سعید عجلی نے بڑی ڈھٹائی سے جواب دیا:

''میں نے جو کچھ بھی کیا اپنی مرضی سے نہیں کیا، بل کہ میں تو اپنی ذمے داری پوری کررہا ہوں۔''

گورنر خالد عبداللہ قسریٰ نے اس کی اس ڈھٹائی کو نظر اَنداز کرتے ہوئے پوچھا:

''کیا تم نے کبھی امامت کا دعویٰ کیا تھا؟''

مغیرہ بن سعید عجلی نے پُراعتماد اَنداز میں جواب دیا:

''میں امام تھا، امام ہوں اور اِمام ہی رہوں گا۔ میں تو اُس وقت بھی امام تھا جب آپ کا غلام تھا، بس اس وقت مجھے اپنی امامت ظاہر کرنے کا حکم نہیں تھا۔ یہ میری امامت کی کرامت ہی تھی کہ آپ نے مجھے بخوشی آزاد کردیا، ورنہ باقی سب غلام تو اَب بھی آپ کے غلام ہی ہیں۔''

گورنر خالد عبداللہ قسریٰ اس کی بات سن کر دنگ رہ گئے کہ کہاں تو اِسے بات کرنے کا سلیقہ تک نہیں تھا اور یہ آزادی کے لیے منتیں کرتا پھرتا تھا اور اَب کیسے دھڑلے سے گفتگو کررہا ہے، لیکن خالد ایک سمجھ دار انسان تھے۔ انھوں نے اس سے سوال کیا اور اُسے باتوں سے خطرناک چوٹ ماری:

''امامت کی حد تک تو چلو مان لیا، لیکن تم نے تو نبوت کا دعویٰ بھی کردیا ہے۔ نبی تو اعلیٰ خاندان سے ہوتے ہیں، تمھارا خاندان تو کوئی اعلیٰ نہیں ہے، پھر تم کیسے نبی ہوگئے؟''

مغیرہ یہ بات سن کر فوراً غصے میں آگیا اور کہنے لگا:

''خالد! اب کیا تم یہ فیصلے کرو گے کہ کون امام ہے اور کون نبی ہے؟ یہ اللہ کے فیصلے ہیں، تمھارے نہیں۔''

گورنر خالد نے اس کی بات سن کر اُس کے غصے کو نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا:

''تم یہ بتاؤ کیا تم اب بھی خود کو امام اور نبی سمجھتے ہو؟''

مغیرہ نے اس سوال کو سن کر گھٹیا سے انداز میں جواب دیا:

''کاغذ قلم لے آؤ، میں لکھ کر دے دیتا ہوں۔ بار بار ایک ہی سوال مت کرو۔''

گورنر خالد نے اس کے گھٹیا پن پر توجہ نہ دیتے ہوئے پوچھا:

''کیا تم اب بھی نبوت کا دعویٰ کرتے ہو؟''

مغیرہ بن سعید عجلی نے غلاظت بھرا جواب دیا اور کہا:

''ہاں، میں نبی ہوں۔''

مغیرہ بن سعید عجلی کا یہ جواب خاتم النبین حضرت محمد ﷺ کی توہین کے مترادف تھا۔ گورنر خالد عبداللہ قسریٰ کا دِل اپنے غلام کی طرف سے ہونے والی خاتم النبین حضرت محمد ﷺ کی توہین اور اُس کے بدسلوکی بھرے جوابات سن کر خون کے آنسو رو دیا، وہ ضبط کر کے وہاں سے باہر چلے آئے۔

ابھی اس قسم کے سوال جواب ہی چل رہے تھے کہ خلیفہ ہشام بن عبدالملک کا گورنر خالد عبداللہ قسریٰ کے پاس پیغام آیا، جس میں کافی سختی سے پوچھا گیا تھا:

''نبوت کے جھوٹے دعوے دار کے ساتھ کیا کیا گیا ہے؟ ابھی تک اس کے گرفتار ہونے کی خبر ہی ہمیں ملی ہے۔''

گورنر خالد عبداللہ قسریٰ نے فوراً انھیں جواب لکھا:

''اسے توبہ کرنے کا موقع فراہم کیا جا رہا ہے۔''

پھر خالد قسریٰ نے اپنے کچھ قریبی لوگوں کو مغیرہ کے پاس بھیجا۔ ان لوگوں نے مغیرہ کو مشورہ دیا:

''گورنر خالد قسریٰ چاہتے ہیں کہ تم اپنے دعوؤں سے توبہ کر لو، تاکہ تمھاری جان بچ جائے اور تم اللہ کے عذاب سے بھی بچ جاؤ۔''

خالد کے قریبی لوگوں کا مشورہ سن کر مغیرہ بن سعید عجلی نے چوری اور سینہ زوری کرتے ہوئے جواب دیا:

''میں نے کوئی گناہ نہیں کیا جو توبہ کر لوں۔''

گورنر خالد عبداللہ قسریٰ نے جب دیکھا کہ مغیرہ کی عقل پر پردہ پڑ چکا ہے اور وہ بالکل بھی نہیں مان رہا تو اُنھوں نے مغیرہ کو سزا دینے کا فیصلہ کر لیا۔

انھوں نے ایک میدان میں ہاتھ پاؤں باندھ کر مغیرہ کو ڈال دیا اور اُس کے اردگرد سرکنڈوں کے بڑے بڑے گٹھے بنا کر رکھ دیے۔ اس کے بعد گورنر خالد نے ان سرکنڈوں کو آگ لگا دی۔ مغیرہ اس آگ کو دیکھ کر چیخنے چلانے لگا:

''یہ غیر اَخلاقی سزا ہے۔''

اس کے علاوہ اس نے مرتے وقت بھی اپنی نبوت کا اعلان کیا اور آگ سے جل کر مر گیا۔ اس کی موت کے بعد چند علمائے کرام نے گورنر خالد عبداللہ قسریٰ سے ملاقات کی اور اُن سے پوچھا:

''آپ نے اسے غیر اسلامی سزا کیوں دی؟''

علمائے کرام نے گورنر خالد عبداللہ قسریٰ سے اس لیے یہ سوال کیا تھا کہ نبی کریم ﷺ نے آگ کی سزا دینے سے منع فرمایا ہے۔

گورنر خالد عبداللہ قسریٰ نے علمائے کرام کا جواب دیا:

''میرے محترم بھائیو! اس کے دعوے بھی اسلامی نہیں تھے۔''

یعنی مغیرہ بن سعید عجلی نے جو کیا وہ بھی اسلام کے مطابق نہیں تھا، جب کہ اسے توبہ کرنے کا پورا پورا موقع فراہم کیا گیا تھا۔

بہر حال، یوں توہین رسالت کا ایک مجرم اپنے انجام کو پہنچ گیا، لیکن مرنے کے بعد بھی اس کے مقدر میں ذلالت ہی ذلالت تھی۔ وہ ایسے کہ اس نے حضرت نفس ذکیہ رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ پیش گوئی کی تھی کہ وہی حضرت امام مہدی ہیں، جن کے آنے کی اطلاع حضور ﷺ نے دی تھی۔ حضرت نفس ذکیہ رضی اللہ عنہ اس وقت حکومت کے خلاف تحریک چلا رہے تھے، لیکن وہ اپنی اس سیاسی مخالفت میں ناکام ہو گئے۔

ہوا یوں کہ خلیفہ ابوجعفر منصور نے حضرت نفس ذکیہ رضی اللہ عنہ سے حکومت کے خلاف بغاوت کرنے پر مقابلہ کیا، اس مقابلے میں وہ شہید ہو گئے۔ یوں مغیرہ بن سعید عجلی کی پیش گوئی جھوٹی ثابت ہوئی اور اُس کے بہت سے پیروکار اُس پر لعنت بھیجتے ہوئے واپس اسلام میں داخل ہو گئے۔

.....☆.....

(حوالہ جات:
جھوٹے نبیوں کا انجام، از سید ارتضیٰ علی کرمانی۔
ائمہ تلبیس، از حضرت مولانا ابوالقاسم رفیق دلاوری۔
بائیس جھوٹے، نبی از نثار احمد خان فتحی۔
جھوٹے نبی، از ابوالقاسم رفیق دلاوری۔ ناشر: مرکز سراجیہ)

.....(جاری ہے).....

# صبح و مسا کیجیے

تنویر پھولؔ۔امریکا

نام رحماں کا پہلے لیا کیجیے
حمد سے بات کی ابتدا کیجیے
اس نے تعریف کی اپنے محبوب کی
حق ادا کیجیے اپنے معبود کا
سجدۂ آخری ان کا ہو ذہن میں
یادِ صدیق و فاروق کی ہو سدا
درس دیتے ہیں اصحاب و آلِ نبی
باغِ دل میں اخوت کی کلیاں کِھلیں
غنچۂ دل کِھلا آپ کو دیکھ کر
حق نے انسانیت ہے سکھائی ہمیں
روشنی ہو محبت کی چاروں طرف
درس اخلاق کا ہے نبی نے دیا
یہ بھی صدقہ ہے ، فرمایا ہے آپ نے
ہو یہ کوشش کہ گردِ کدورت ہٹے
پائیں گے بالیقیں آپ قلبی سکوں
حامدینِ خدا کا بڑا مرتبہ

بعد میں وردِ صلِّ علیٰ کیجیے
یوں ادا سنت مصطفیٰ کیجیے (ﷺ)
آپ بھی اس روش پر چلا کیجیے
اور بندوں کا بھی حق ادا کیجیے
پیروئ شہِ کربلا کیجیے
ذکرِ عثمان و شیرِ خدا کیجیے
آپ اظہارِ حق ، برملا کیجیے
آبیاری کچھ ایسی کیا کیجیے
آپ ایسے ہی ہنستے رہا کیجیے
حق سے وعدہ جو تھا ، وہ وفا کیجیے
شمعِ الفت سے ایسی ضیا کیجیے
باب اخلاق کا سب پہ وَا کیجیے
مسکرا کر سبھی سے ملا کیجیے
آئنے پر دلوں کے جِلا کیجیے
پوری انسانیت کا بھلا کیجیے
آپ بھی مدحتِ کبریا کیجیے

گلشنِ دہر میں تابِ گویائی دی
پھولؔ! شکر اُس کا صبح و مسا کیجیے

# بات نیت کی ہے

زاہدہ عرج تاج۔ بہاول پور

''کس قدر گرمی ہو رہی ہے؟'' راشد نے ماتھے سے پسینا صاف کرتے ہوئے کہا۔

''اور مجھے تو لگ رہا ہے کہ گرمی کی وجہ سے ہر چیز کی رفتار تیز ہوگئی ہے۔'' ماجد نے بھی ادھر اُدھر دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

''ارے بھائی! اتنی گرمی میں ہر کوئی اپنے ٹھکانے پر پہنچنے کی جلدی میں ہے، کیوں کہ اتنی گرمی میں چہل قدمی تو ہونے سے رہی۔'' راشد نے اپنا تجزیہ پیش کیا۔

راشد اور ماجد، دونوں بھائی ہفتم جماعت کے طالب علم ہیں۔ دونوں بھائی اسکول سے واپس آتے ہوئے روزمرہ کی باتوں میں مصروف تھے۔ اسکول چوں کہ گھر کے قریب ہی واقع تھا تو دونوں پیدل ہی آتے جاتے تھے۔ دونوں جڑواں تھے اور دونوں کی شکلیں ہی نہیں، عادات بھی خوب ملتی تھیں۔

جیسے ہی وہ دونوں اپنی گلی میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ ان کے والد سڑک پر بکھرے ہوئے کانچ اور پتھر، وائپر سے ایک طرف اکٹھے کر رہے تھے۔

''بابا جان! آپ اس وقت اتنی دھوپ میں یہ کام کیوں کر رہے ہیں؟'' دونوں نے والد کو پسینے میں تر بتر دیکھ کر ایک ساتھ سوال کیا۔

''بیٹا! غالباً کوئی ٹرک والا کسی گھر کا ملبہ لے کر گزرا تو یہاں کچھ پتھر اور کانچ گر گئے، وہی صاف کر رہا ہوں۔''

سلیم صاحب نے شیشے اور پتھر کنارے کی طرف لے جاتے ہوئے کہا۔

''بابا! یہ کام شام کو بھی تو ہو سکتا ہے، اس وقت اتنی تیز دھوپ ہے اور آپ خود بھی تھکے ہوئے اسکول سے آئے ہیں۔''

ماجد نے والد کے ہاتھ سے وائپر لیتے ہوئے کہا۔ سلیم صاحب بھی ایک اسکول میں استاد تھے۔

''بیٹا! شام تک نجانے کتنے لوگ تکلیف اٹھاتے۔ گلی سے موٹر سائیکل، رکشے اور گاڑیاں گزرتی رہتی ہیں، کوئی پنکچر ہو جاتی تو سوار کے لیے اتنی گرمی میں کس قدر پریشانی ہوتی، یہی سوچ کر میں ابھی ہٹانے لگا۔''

سلیم صاحب نے کہتے ہوئے بیٹے کے ہاتھ سے وائپر واپس لینا چاہا۔

''نہیں بابا! آپ اندر جائیں، ہم یہ کام پورا کر کے آتے ہیں۔'' راشد نے بھی اصرار کیا اور اپنا اور راشد کا بستہ رکھنے اندر چلا گیا۔

''شاباش میرے بچو! آج تو آپ نے بڑی نیکی کی، راستے سے تکلیف دہ چیز ہٹا کر نہ صرف رب کو راضی کیا، بل کہ اپنی سعادت مندی سے باپ کا دِل بھی جیت لیا۔''

وہ جیسے ہی اندر آئے سلیم صاحب نے دونوں بیٹوں کو پیار کرتے ہوئے کہا۔

اس کے بعد تو دونوں بھائی کبھی راستے میں کوئی رکاوٹ دیکھتے تو اُسے ہٹانے میں ایک پل نہ لگاتے، کیوں کہ وہ جان گئے تھے کہ راستے سے تکلیف دہ چیز ہٹا دینا بہت بڑی نیکی ہے۔

کچھ دن بعد کی بات ہے کہ راشد اور ماجد شام کو کھیلنے کے لیے گھر سے نکلے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ان کے گھر سے کچھ آگے ساری سڑک پر جا بجا اینٹیں رکھی ہوئی ہیں اور یہ دیکھ کر تو وہ حیران رہ گئے کہ یہ اینٹیں کسی اور نے نہیں، بل کہ ان کے والد سلیم صاحب نے ہی رکھی ہیں۔

''بابا نے تو ہمیشہ یہی بتایا ہے کہ راستے میں رکاوٹ والی چیز نہیں ڈالنی چاہیے، بل کہ کسی اور نے بھی ڈالی ہو تو ہٹا دینی چاہیے، تاکہ لوگ کسی بھی قسم کے نقصان اور ٹھوکر سے بچ جائیں۔''

ماجد نے حیرت سے راشد کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''بات تو ایسی ہی ہے۔ چلو بابا سے پوچھتے ہیں کہ معاملہ کیا ہے۔''

راشد نے کہا اور دونوں اپنے والد کی طرف بڑھ گئے، جو کہ ان کے ہم سائے شکیل صاحب کی مدد سے مزید اِینٹیں سڑک پر رکھ رہے تھے۔

''بابا جان! یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟'' راشد نے پوچھا۔

''آپ تو ہمیشہ ہمیں یہی سمجھاتے آئے ہیں کہ راستے سے رکاوٹ یا نقصان دہ چیز ہٹانا نیکی ہے۔'' ماجد بھی بے چینی سے جلدی جلدی بولا۔

سلیم صاحب بیٹوں کی بے تابی اور پریشانی دیکھ کر مسکرا دیے اور شکیل صاحب کی طرف دیکھ کر معنی خیز انداز میں مسکرانے لگے، پھر بولے:

''تھوڑا آگے آؤ میرے بچو!'' سلیم صاحب نے انھیں اپنے قریب بلایا۔

''یہ دیکھو۔'' قریب پہنچنے پر سلیم صاحب نے انھیں اپنے پیچھے دکھایا، گٹر کا ڈھکن غائب تھا۔

''اوہ!'' دونوں کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

''آج دوپہر میں کوئی چور گٹر کا ڈھکن چوری کر کے لے گیا ہے۔ اب جب تک نیا ڈھکن نہیں لگ جاتا تب تک ہم نے کھلے گٹر کے دونوں طرف اینٹیں رکھ دیں، تاکہ آنے جانے والے ہوشیار ہو جائیں اور اِینٹوں کی وجہ سے نیچے دیکھ کر گزریں، بل کہ ابھی گٹر کے کناروں پر جھاڑیاں بھی رکھیں گے۔'' سلیم صاحب نے پوری تفصیل سے بیٹوں کو بتایا۔

''لیکن پھر بھی بابا! یہ ہے تو رکاوٹ ہی نا!؟'' راشد نے سر کھجایا۔

''اس کا کوئی اور حل بھی تو ہو سکتا ہے نا! تاکہ ہم رکاوٹ پیدا کرنے والے نہ بنیں۔'' ماجد نے بھی پرسوچ انداز میں کہا۔

جی بیٹا! لیکن ہمارے پیارے نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

انما الاعمال بالنیات (بے شک تمام اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے)۔

راستے سے تکلیف دہ چیز ہٹانے پر بھی یہی نیت ہوتی ہے کہ لوگ تکلیف سے بچ جائیں اور اَب کچھ دیر کے لیے رکاوٹ رکھنے میں بھی یہی نیت ہے کہ لوگ تکلیف سے بچ جائیں۔''

''یعنی...... اصل بات یہ ہے کہ کسی بھی کام کو کرتے ہوئے دیکھنا یہ ہے کہ آپ کی نیت کیا ہے۔'' راشد نے کہا اور اپنے والد کی طرف دیکھا۔

''بالکل بیٹا! یہی بات ہے، نیت ہمارے اعمال کے اجر کو بہت بڑھا دیتی ہے۔''

''یہ تو بہت اچھی بات ہے بابا!'' ماجد نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''بالکل اور یہ اچھی بات ہمیں ہمارے پیارے آقا ﷺ نے بتائی ہے، اس لیے بیٹا جو بھی نیکی کریں اس کے پیچھے نیت خالص اللہ تعالیٰ کی رضا رکھنی چاہیے۔''

''ان شاءاللہ بابا! ہم آئندہ اس بات کا خاص طور پر خیال رکھیں گے۔'' دونوں بھائی یک زبان ہو کر بولے۔

# فاتح کون ۲

## شکر، الحمدللہ!

نذیر انبالوی۔ لاہور

''جی جی، انسپکٹر صاحب! بتائیے۔'' انور نے آگے بڑھ کر کہا۔

''تبسم ہوش میں آگیا ہے، اُس کی حالت خطرے سے باہر ہے۔''

انسپکٹر صاحب کے اتنا بتانے کی دیر تھی کہ چاروں نے باآواز بلند کہا:

''شکر، الحمدللہ!''

''تھوڑی دیر میں ہوٹل کے مالک امین صاحب آرہے ہیں۔ دعا کریں کہ وہ صلح پر راضی ہو جائیں۔''

انسپکٹر صاحب یہ کہہ کر اپنے آفس میں بیٹھ گئے۔ کچھ دیر بعد ہوٹل کا مالک آگیا۔ اُس نے صلح کرنے سے انکار کر دیا۔

''میں تو مقدمے کی پیروی کروں گا۔ میرا ملازم زخمی ہوا ہے، میرے ہوٹل کی ساکھ خراب ہوئی ہے، میں ہرگز صلح نہیں کروں گا۔'' امین کا لہجہ تلخ تھا۔

''تحمل، برداشت، صبر سے کام لو، چپ ہو جاؤ۔'' امین کے بڑے بھائی سلیم نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔



''ان کے بچے دنگا فساد کریں اور میں ان سے صلح کرلوں، میں ایسا نہیں کروں گا۔'' یہ کہہ کر امین اپنی کرسی سے اُٹھنے لگا تو سلیم نے اُس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''بیٹھ جاؤ، بڑوں کی بات مانتے ہیں۔ معاف کر دو، صلح کرلو۔ بچے ہیں، شیطان کے بہکاوے میں آگئے تھے۔''

''بچے ہیں تو پھر کیا ہوا، انھیں سزا ملنی چاہیے، تاکہ یہ آئندہ ایسی حرکت نہ کریں۔'' امین ابھی تک غصے میں تھا۔

''اگر وہ تمھیں معاف نہ کرتے تو تم بھی طویل عرصے تک جیل ہی میں رہتے۔'' سلیم نے اتنا کہا تو امین نے اپنے بڑے بھائی کو گھورا۔ وہاں موجود اِنسپکٹر عبداللہ اور چار لڑکوں کے والد کچھ بھی سمجھ نہ پائے تھے۔

''وہ کون؟'' انسپکٹر صاحب نے سلیم کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

''وہ بابر تھا، جس کے بیٹے عمران کا ایک دانت امین نے مکا مار کر توڑ دیا تھا۔ یہ بچپن میں بہت غصیلا تھا، لوگوں سے معمولی معمولی باتوں پر لڑ جھگڑ پڑتا تھا۔ ایک دن ہمسائے بابر کے بیٹے سے کسی بات پر لڑائی ہوئی اور امین نے ایک زوردار مکا جڑ کر اُس کا دانت توڑ دیا۔ بات تھانے تک جا پہنچی، تھانہ یہی تھا۔ بابر پہلے پہل تو اِصلاح کے لیے تیار نہ تھا، مگر پھر وہ صلح کے لیے تیار ہو گیا۔ عمران کے علاج کے اخراجات ہم نے برداشت کیے۔ اس واقعے کے بعد امین میں واضح تبدیلی آئی۔ اب یہ اپنے آبائی ہوٹل کے کاموں میں دل چسپی لینے لگا۔

جب انسان مصروف ہوتا ہے تو وہ بہت سے فضول کاموں سے بچ جاتا ہے۔ امین کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا۔ ہوٹل میں وہ ایسا مصروف ہوا کہ بس تو پھر یہ وہیں کا ہو کر رہ گیا۔ محنت کی، دن رات ایک کیا، اب ہمارے ہوٹل کی چار شاخیں ہیں، اللہ تعالیٰ کا بہت فضل ہے۔'' سلیم نے تیز تیز بولتے ہوئے سب کچھ بتا دیا۔ امین کو ایک ایک بات یاد تھی۔ ایسا لگتا تھا کہ جیسے یہ کل کی بات ہو۔ امین نے کچھ سوچتے ہوئے کہا:

''بھائی جان! اگر اُس دن مجھے معاف نہ کیا جاتا تو شاید میں آج ایک اچھا اور کام یاب انسان نہ بن پاتا، میں یہ چاہتا ہوں کہ یہ چاروں نوجوان بھی کام یاب اور اچھے انسان بنیں، بھلائی کا راستہ اختیار کریں۔ ٹھیک ہے، میں صلح کے لیے تیار ہوں۔''

چاروں کے والد یہ سن کر دوبارہ بلند آواز میں بولے:

''شکر، الحمدللہ!''

صلح کے بعد کاغذی کارروائی کی گئی۔ کچھ دیر بعد چاروں لڑکے اپنے اپنے گھروں میں موجود تھے۔ چاروں شرمندہ تھے۔

.....☆.....

انور کی پھل منڈی میں اجمل سے ملاقات ہوئی تو اُس نے صلح کے بارے میں بتایا اور بولا:

''میں ایمان داری کے راستے پر چلنے کا فیصلہ کر چکا ہوں ہے۔''

''میں تو یہ فیصلہ پہلے ہی کر چکا ہوں، بل کہ اس پر کل سے عمل بھی کر رہا ہوں، بے ایمانی کو خیر باد تو کہہ دیا ہے، مگر.....''

''مگر کیا؟'' انور نے اجمل کی بات درمیان سے اُچک لی۔

''مگر آمدنی کم ہوگئی ہے، اب گھر کیسے چلے گا؟'' اجمل نے مالٹوں کا تھیلا اُٹھاتے ہوئے کہا۔

''اللہ مالک ہے، اللہ تعالیٰ ہی ہماری آمدنی میں برکت ڈالے گا، ہمارا ہر کام آسانی سے ہوجائے گا۔'' انور نے اجمل کو سمجھایا۔

جب دونوں نے ایمان داری کا راستہ اپنایا تو مناسب قیمت اور اچھا پھل دینے کے باعث ان کے گاہکوں میں اضافہ ہوگیا۔ اب دور دور سے گاہک ان سے پھل لینے کے لیے آتے۔ پہلے وہ اپنی مرضی سے پھل شاپنگ بیگ میں ڈالتے تھے، اب گاہک ٹوکرے سے خود پھل چن کر خریدتے تھے۔ ایسا پھل منڈی میں کہیں کہیں ہی ہوتا تھا۔ جہاں ایسا ہوتا تھا وہاں گاہکوں کی خاصی بھیڑ ہوتی تھی۔

.....☆.....

غصے کو ایمان داری پر غصہ آرہا تھا، کیوں کہ اس کی وجہ سے بے ایمانی ناکام ہوگئی تھی۔

شرشر کسی صورت بدی پورہ جانے کے لیے تیار نہ تھا۔ غصے اور بے ایمانی کی ناکامی کے بعد وہ ایک اور موقع کا خواہش مند تھا۔ شرشر، غصے اور بے ایمانی کو واپسی کا بلاوا آگیا تھا۔ شرشر نے غصے کا ہاتھ پکڑا:

''مت جاؤ، میں تمھارے ساتھ ہوں، صرف ایک موقع مل جائے تو نیکی نگر سے آئی ایک ایک نیکی کو دیکھ لوں گا۔ بے ایمانی! تم بھی رُک جاؤ، ایک دو انسان ہاتھ سے نکل گئے ہیں تو کیا ہوا؟ ابھی بہت سے انسان ہم سے دوستی کرنا چاہتے ہیں۔''

''ملکہ بدی نے ہمیں واپس بلایا ہے، اگر نہ گئے تو سزا ملے گی۔''

''سزا تو اَب بھی ملے گی، اب تم دونوں نے کون سا تیر مارا ہے!؟ غصہ بھی ناکام ہے، بے ایمانی کو بھی منہ کی کھانی پڑی ہے۔ ہم ایک کوشش اور کریں گے۔ شرشر تمھارے ساتھ ہے۔ شرشر کی شرارت سے کون بچ سکا ہے، ایک ایک کو دیکھ لوں گا۔'' غصہ اور بے ایمانی، شرشر کی باتوں میں آگئے۔

''آؤ، میرے ساتھ۔'' شرشر نے غصے اور بے ایمانی کو مخاطب کیا۔

پھر تینوں شہر کی طرف چل پڑے۔ ایک کالج کے باہر بھیڑ دیکھ کر دونوں وہاں رُک گئے۔ طلبہ ہاتھوں میں کتابیں لیے باہر کھڑے تھے۔ ان میں کچھ تو کتابیں پڑھ رہے تھے اور کچھ کتابوں کے صفحات پھاڑ کر جیبوں میں رکھ رہے تھے۔ بے ایمانی نے ایک طالب علم راجو کو تھپکی دی:

''تم کام یاب ہوجاؤ گے۔''

راجو نے گھبرا کر جیب میں رکھے پرزے دیکھے۔ ہر جیب میں کتاب سے پھاڑے ہوئے صفحات موجود تھے۔ اس کا دل خوف کے مارے دھک دھک کر رہا تھا۔

''میرے ہوتے ہوئے گھبراؤ مت، کھل کر بے ایمانی کرو، آج کل یہی کام یابی کا راستہ ہے۔'' راجو نے گھبرا کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ بے ایمانی اس کے سامنے کھڑی تھی۔

راجو نے اپنا وقت کھیلنے کودنے اور آوارہ گردی میں ضائع کیا تھا۔ امتحان قریب آنے پر اُس کا سر چکرانے لگا تھا۔ تیاری نہ ہونے کے برابر تھی۔ وہ بے ایمانی کے راستے کو کام یابی کا راستہ سمجھ رہا تھا۔ بے ایمانی برابر اُس کی حوصلہ افزائی کر رہی تھی۔ راجو سینٹر میں داخل ہوا تو خوف اس کے ساتھ تھا۔ اسی خوف کی حالت میں وہ ہال میں اپنی مقررہ سیٹ پر بیٹھ گیا۔

.....☆.....

دروازے پر دستک ہونے پر اجمل نے دروازہ کھولا تو سامنے بابا سراج کھڑے تھے۔

''السلام علیکم!'' بابا سراج نے کہا۔

وعلیکم السلام!'' اجمل نے خوش دلی سے جواب دیا۔ بابا سراج کے ہاتھ میں گل دستہ تھا۔

''آیئے آیئے، اندر تشریف لایئے۔'' اجمل نہایت ادب سے بابا سراج کو بیٹھک میں لایا۔

''بھئی، یہ پھول تمھارے لیے ہیں۔ یہ ایمان داری کا راستہ اپنانے پر میری طرف سے محبت بھرا تحفہ ہے۔ اب دیکھ لو تمھاری آمدنی میں اضافہ ہوا ہے، ہر گاہک تمھاری اور اُنور کی تعریف کرتے نہیں تھکتا۔ ایمان داری میں سکون ہے، اطمینان ہے، برکت ہے۔'' بابا سراج نے پھول اجمل کو دیتے ہوئے کہا۔

''آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ پہلے آمدنی تو بہت زیادہ تھی، مگر برکت نہ تھی، سکون نہ تھا۔ اب دل خوش ہے۔ میں آپ کی اچھی باتوں پر غصہ کیا کرتا تھا، جس کے لیے میں معذرت خواہ ہوں، مجھے معاف کردیں۔'' اجمل نے اپنی غلطی تسلیم کی۔

''ماضی میں جو ہوا سو ہوا، اب تم نے جو راستہ اپنایا ہے اس پر چلتے رہنا۔'' بابا سراج کی باتوں نے پاس کھڑی ایمان داری کے ساتھ ساتھ اجمل کو بھی خوش کردیا تھا۔

.....☆.....

راجو نے پرچہ ملتے ہی اس پر نگاہ ڈالی۔ چاروں سوالات کے جوابات اس کی جیب میں موجود تھے۔ وہ اضافی سوالوں کے جوابات کا بوجھ اپنی جیب میں رکھنا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے ہاتھ کھڑا کیا۔ نگران اس کے پاس آیا تو وہ بولا:

''پیٹ خراب ہے، بیت الخلا جانا چاہتا ہوں۔''

راجو نے پیٹ پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

''جاؤ، مگر جلدی آجانا۔'' نگران نے جواب دیا۔

راجو جب اپنی سیٹ سے اُٹھ کر غسل خانے کی طرف بڑھا تو بے ایمانی نے اس کے کان میں سرگوشی کی:

''گھبراؤ مت، واپس آکر نگران سے بات کرلینا، پیسوں میں بڑی طاقت ہوتی ہے، پیسا لگاؤ، آگے بڑھتے جاؤ۔''

راجو غسل خانے میں داخل ہوا اور جلد ہی باہر آگیا۔

اب اس کی جیب میں صرف انھی سوالوں کے جوابات تھے جو پیپر میں آئے تھے۔ وہ جوں ہی اپنی سیٹ پر بیٹھا نگران اس کے پاس آیا:

''کھڑے ہوجاؤ۔''

''کیا ہوا ہے؟'' راجو نے پوچھا۔

''میں کہتا ہوں کھڑے ہوجاؤ۔'' نگران نے غصے سے کہا۔

(راجو پرچہ حل کرنے میں کام یاب ہوا یا نہیں؟
(یہ جاننے کے لیے پڑھیے اگلی قسط۔)

ننھے شوقین کے لیے

# وہ کیا تھا؟

انعم توصیف۔ کراچی

''امی! میری چادر نہیں مل رہی۔''

آٹھ سالہ نمرہ نے رات کو سوتے وقت بستر پر اُوڑھنے کی چادر نہ پا کر سوال کیا۔

''بیٹا! گیلری میں جالیوں پر لٹکی ہوئی ہے۔ میں نے آج دھوئی تھی۔''

باورچی خانے کو سمیٹتے ہوئے امی نے مصروف انداز میں جواب دیا۔ نیند سے بوجھل ہوتی آنکھوں سے نمرہ جلدی سے گیلری کی جانب مڑ گئی۔

''بیٹا! چادر جھاڑ لینا۔''

امی کی آواز نمرہ کے کانوں سے ٹکرائی۔ اس نے سنی اَن سنی کرتے ہوئے چادر لی اور کمرے میں چلی گئی۔

موسم میں ہلکی ہلکی خنکی تھی۔ جس کی وجہ سے بیچ رات میں پیروں کو ڈھانکنے کی ضرورت پڑ جاتی تھی۔ آدھی رات گزر چکی تھی۔ امی ابو اپنے کمرے میں اور نمرہ اپنے کمرے میں بے خبر سو رہی تھی۔ پیروں پر ٹھنڈ کا احساس ہوا تو نیند میں ہی نمرہ نے چادر کھول کر پیروں پر ڈال لی، جس کو گولہ بنا کر اُس نے مسہری کے کونے میں ڈالا ہوا تھا۔

اچانک نمرہ کو ایسا محسوس ہوا جیسے چادر کے اندر کوئی چیز ہے جو اُس کے دائیں پاؤں پر رینگ رہی ہے۔ نیند کی وجہ سے اس نے اپنا وہم سمجھ کر ہلکا سا پاؤں ہلایا۔

''کیا ہے؟''

زیرِ لب بڑبڑا کر وہ پھر سو گئی۔ کچھ دیر بعد اُسے پھر کسی چیز کا احساس ہوا۔ نرم نرم سی کوئی چیز اُس کے تلوے سے بار بار لگ رہی تھی۔

پیر کو زور سے جھٹکنے کے باوجود بھی جب کچھ نہ ہوا تو جھرجھری لے کر نمرہ نے زوردار چیخ ماری۔

''بچاؤ بچاؤ!''

نمرہ نے چادر کو اُٹھا کر مسہری سے نیچے پھینک دیا اور خود مسہری پر اُچھل کر چلانے لگی۔ اس کے بال بھی کھلے ہوئے تھے۔ وہ اچھلتے ہوئے کوئی بھوت لگ رہی تھی۔

نمرہ کے کمرے کے دو دروازے تھے۔ ایک امی ابو کے کمرے میں کھلتا تھا تو دوسرا باہر ہال کی جانب کھلتا تھا۔

''کیا ہوا؟ کیا ہوا؟''

اس کے چیخنے کی آواز سے گہری نیند میں سوئے امی ابو بھی بیدار ہو گئے۔ انھیں لگا شاید کوئی چور گھر میں گھس آیا ہے۔

بقیہ صفحہ نمبر 52 پر

# گھنا جنگل

تنزیلہ احمد۔ اوکاڑہ

''ارے بہن! تم تو بہت موٹی تازی ہوگئی ہو۔لگتا ہے خوب مزے میں گزر رہی ہے۔کیا بات ہے بھئی، خوب کھا پی رہی ہو!''

ایک دوسرے کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلتے ہوئے وہ مزے سے باتیں بگھارنے لگیں۔

''ہی ہی ہی! سچ ہے بہن! خود کو بھی تو دیکھو، کیسے پھول کر کپا ہو رہی ہو۔ چہرے پر بھی خوب لالی نظر آرہی ہے۔''

''ہاہاہا! بالکل ٹھیک کہہ رہی ہو۔ ہماری تو موجیں ہیں۔ نہ کوئی پریشانی نہ ہی کوئی روک ٹوک کرنے والا۔بس کھایا پیا اور خوب آرام کیا۔''

''اپنا تو ہے یہ کام......دن رات کریں آرام۔''

وہ دونوں ہنستے کھیلتے، باتیں کرتے ہوئے کالے گھنے جنگل کے دوسری جانب چلتی جارہی تھیں۔ پانچ چھے دن میں ہی انھیں نہ صرف اچھا گھر بار مل گیا تھا، بل کہ خوراک بھی خوب مل رہی تھی۔ دونوں پیٹ بھرتیں، کھیلتی کودتیں اور پھر پڑی سوتی رہتیں۔

نیلم کے سر کے بالوں میں ان کی کھیل کود جاری تھی۔ وہ کمرۂ جماعت میں بیٹھی پنسل سے مسلسل سر کھجا رہی تھی۔تبھی اس نے اپنے ساتھ بیٹھی حنا کی آواز سنی:

''مس! مجھے اس کے ساتھ نہیں بیٹھنا۔''

''کیوں، کیا ہوا؟''مس شازیہ نے حیرانی سے پوچھا تو حنا فوراً بولی:

''مس! مجھے لگتا ہے کہ اس کے سر میں جوئیں ہیں۔اسے جب بھی دیکھو، یہ سر کھجا رہی ہوتی ہے۔''

''ہمم! حنا ٹھیک کہہ رہی ہے۔نیلم! میں نے بھی اکثر آپ کو سر کھجاتے دیکھا ہے۔''

مس شازیہ نے حنا کی تائید کی تو وہ گڑبڑائی:

''نہیں تو مس! ہو سکتا ہے خشکی ہو۔''

''جو بھی ہے، گھر جا کر اپنے بال دکھایئے گا۔میں آپ کی ڈائری میں بھی لکھ رہی ہوں۔کل اور پرسوں چھٹی ہے۔ پیر والے روز اگر آپ کے سر میں جوئیں پائی گئیں تو آپ پر جرمانہ ہوگا۔''

انھوں نے خفگی سے کہا تو اُسے مزید شرمندگی نے گھیر لیا۔

سبھی ہم جماعت بچیاں اسے دیکھ کر دبی دبی ہنسی ہنس رہی تھیں۔ بے بسی سے وہ اپنے روکھے پھیکے بالوں میں تیزی سے خارش کرنے لگ گئی۔

جب تک وہ گھر پہنچی اسے محسوس ہونے لگا جیسے بالوں میں سوئیاں چبھ رہی ہیں۔

دوپہر کے کھانے کے بعد اُس نے والدہ کو اپنی پریشانی سے آگاہ کیا۔

''امی! میرے سر میں کچھ رینگ رہا ہے۔ دو تین روز سے بہت خارش ہے۔آج مس نے بھی ڈانٹا ہے۔ جماعت میں سب مجھ پر ہنس رہے تھے۔''

''ہیں! دکھاؤ تو سہی، جوئیں نہ پڑ گئی ہوں۔''جواب لاؤنج میں بیٹھی دادو کی طرف سے آیا تھا۔

''دادوووو!''اس نے روہانسی انداز میں احتجاج کیا۔

''لو،اس میں بُرا منانے کی کیا بات ہے۔روکھے پھیکے بال لیے گھومتی پھرتی ہو۔بالوں میں تیل نہیں لگواتی، بل کہ مجھے تو لگتا ہے نہاتے ہوئے اچھی طرح سر بھی نہیں دھوتی ہو۔''

انھوں نے مزید کہا۔وہ اسے اتنا کہتیں کہ تیل لگواؤ، مجھ سے بال بنوالو، مگر وہ سنتی ہی نہیں تھی۔




''دادو! بالوں میں تیل لگوانے سے کیا جوئیں مرجاتی ہیں؟'' نیلم نے حیرانی سے پوچھا۔

''دادو! جوؤں کی آنکھوں میں تیل چلا جائے تو پھر انھیں نظر نہیں آتا ہوگا نا!''

نیلم سے تین برس چھوٹے نعمان نے شرارت سے کہا تو اُنھوں نے اس کے سر پر پیار سے ہلکی سی چپت لگائی۔

''دیکھو، تمھارے بال بھی کتنے روکھے اور اُڑے اُڑے سے

ہیں۔ ارے بیٹا! کم از کم تیل لگانے سے بال بیٹھ اور سلجھ تو جاتے ہیں۔''

''اچھا دادو! یہ بات ہے تو پھر میرے بالوں میں بھی تیل لگا دیں۔''

نیلم ان کی بات سن کر جھٹ تیل کی شیشی اٹھا لائی۔ جیسے ہی دادو نے نیلم کے سر میں تیل لگا کر ہلکے ہاتھ سے مالش کی تو کالے گھنے جنگل میں شور مچ گیا۔

''بھاگو بھاگو، حملہ ہو گیا ہے۔''

''اب میں کنگھی پھیروں گی۔ کچھ ہوا تو آ جائے گا۔ بیٹا! میری نزدیک کی عینک تو لانا۔'' دادو نے کہا اور نعمان بھاگ کر عینک لے آیا۔

رہی سہی کسر چھوٹی کنگھی نے پوری کرنی شروع کی تو نیلم کے سر میں اودھم مچ گیا۔ جوؤں نے کس کر بالوں کی جڑوں کو پکڑے رکھا، مگر دادو نے اتنا دبا کر اور زور سے کنگھی پھیری کہ نیلم 'ہائے' اور 'سی سی' کرتی رہ گئی۔

''دیکھو ذرا، یہ کالا کالا سا کیا ہے؟''

کنگھی کے دانے سے کچھ نکال کر اُنھوں نے اپنے ناخن پر رکھتے ہوئے کہا۔

''امی! امی! ادھر آئیں، دیکھیں آپی کے بالوں میں کیڑے پڑ چکے ہیں۔''

نعمان نے ایسا شور مچایا کہ امی کو سب کام کاج چھوڑ کر آنا پڑا۔

''ہائے امی جی! اس کے سر میں تو واقعی جوئیں ہیں، اور وہ بھی اتنی موٹی موٹی۔ پتا نہیں کب سے سر میں گند لیے پھر رہی ہے۔''

''کوئی بات نہیں بیٹا! بچے لاپروائی کر جاتے ہیں۔ کنگھی سے جتنا سر صاف ہو سکا میں کر دیتی ہوں، پھر تم اچھی طرح اس کے بال دیکھنا، کوئی جوں یا لیکھ رہ نہ جائے۔''

''ٹھیک ہے امی! میں دیکھ لوں گی، بل کہ جوئیں مارنے والا شیمپو بھی منگواتی ہوں۔ خود اچھی طرح اس کا سر دھوؤں گی۔''

''امی! میرے سر میں بھی شاید کچھ ہے؟'' نعمان نے خارش کرتے ہوئے دھیمی آواز میں کہا۔

''ہو سکتا ہے اس کے بھی جوئیں پڑ گئی ہوں۔ دونوں اکٹھے کھیلتے کودتے ہیں، سر جوڑ کر بیٹھتے بھی ہیں۔'' انھوں نے غصہ دباتے ہوئے کہا تو نیلم نے معصومیت سے پوچھا:

''امی! جوئیں بھی تو اکٹھے کھیلتی کودتی ہوں گی؟''

''جب وہ کھیلتی کودتی ہیں تب ہی آپ لوگوں کے سر میں اودھم مچتا ہے، آگ لگتی ہے اور سر کھجلاتے رہتے ہو۔''

''ہیں...... کیا واقعی!؟'' حیرت کے مارے اس کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔

''اپنا منہ تو بند کر لو۔ کوئی جوں اڑ کر منہ میں آ گری تو......'' نعمان نے اسے چڑانے کی خاطر زبان دکھاتے ہوئے کہا تو وہ بلک اٹھی۔

''چھی چھی...... میرا دل خراب نہ کرو، خاموش رہو، بدتمیز!''

''اچھا بس، خاموش!'' امی نے تیز آواز میں تنبیہ کی۔

''میرے بچو! صفائی ستھرائی کا خیال رکھنا بہت ضروری ہے۔ بال اچھی طرح دھونے چاہییں، پھر اچھی طرح کنگھی کرنی چاہیے، تاکہ اُلجھے نہیں، اور چھٹی والے روز مجھ سے بالوں میں تیل لگوا لیا کرو، پھر دو تین گھنٹے بعد نہا لیا کرو۔ یوں بالوں میں خشکی بھی نہیں ہوتی اور صفائی کا خیال رکھنے سے جوئیں بھی نہیں پڑتیں۔ پتا ہے یہ تمھارا خون چوستی ہیں اور اسی پر پل کر موٹی تازی ہوتی ہیں۔''

دادو نے تفصیل سے بتایا تو نعمان جھٹ سے بولا:

''چھی...... دادو! دیکھیں، میرے سر میں بھی کچھ ہے تو نکال دیں۔ میں اپنا قیمتی خون کسی کیڑے کو نہیں چوسنے دوں گا۔''

''لو جی! میں انھیں اتنا سمجھاتی رہتی تھی، مگر پہلے تو کبھی ان کے کان پر جوں نہیں رینگی۔'' امی نے دونوں بچوں کو دیکھتے ہوئے شرارت سے کہا۔

''مگر بالوں میں ضرور رینگ گئی۔''

دادو بے ساختہ بولیں تو نیلم اور نعمان ہنس پڑے۔

دادو کی ہدایات پر عمل کرنے کا نیلم اور نعمان دل ہی دل میں پکا ارادہ کر چکے تھے۔

## سوال آدھا، جواب آدھا (۷۷) کے درست جوابات

1. سورۂ ہود (علیہ السلام)
2. حضرت شعیب علیہ السلام
3. حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ
4. حضرت مسعود رحمۃ اللہ علیہ
5. 21
6. 25 مارچ
7. گروپ کیپٹن (پاکستان ایئر فورس)۔ کیپٹن (پاکستان نیوی)
8. 6 کروڑ 70 لاکھ میل
9. ''ارضیات'' (Geology)
10. اچھی نیت سے کیا ہوا کام سنورتا ہے، جب کہ بُری نیت کیا جانے والا کام بگڑ جاتا ہے۔

# شگفتہ پارے

## قارئین

☆ ذہنی امراض کے ہسپتال سے ایک مریض کو رخصت کرتے وقت ڈاکٹر نے کہا:

’’آپ ہمارے علاج سے صحت یاب ہوگئے۔امید ہے اب تو آپ ہمارا بل ادا کردیں گے؟‘‘

مریض نے شاہانہ لہجے میں کہا:

’’کیوں نہیں!اگر ہم نے تمھارا یہ چند لاکھ کا حقیر بل ادا نہیں کیا تو ہمیں اکبر بادشاہ کون کہے گا۔‘‘

(سفیان ایوب۔کراچی)

☆ ایک بے وقوف کے پیزا کا آرڈر کرنے پر پیزے والے نے پوچھا:

’’پیزے کو چھے حصوں میں کاٹوں یا بارہ حصوں میں؟‘‘

بے وقوف:’’چھے حصوں میں، اس لیے کہ میں آج تک بارہ حصے نہیں کھا سکا۔‘‘

(وریشہ۔کراچی)

☆ ایک عامل کی بڑی شہرت تھی کہ وہ مرے ہوئے لوگوں کی روح سے بات کروا دیتا ہے۔ایک بچے نے رقم جمع کرکے اس کی فیس دی اور اپنے دادا جی کی روح سے بات کرنے کی خواہش کی۔

عامل نے اسے ایک اندھیرے کمرے میں بھیج دیا۔کچھ دیر بعد ایک بھاری سی آواز آئی:’’مجھے کس نے بلایا ہے؟‘‘

بچہ بولا:’’دادا جی!میں نے بلایا ہے،مگر مجھے صرف یہ پوچھنا ہے کہ آپ تو ابھی تک مرے ہی نہیں،آپ کی روح یہاں کیا کررہی ہے......‘‘

(صغریٰ فیصل۔کراچی)

☆ ایک راہ گیر:’’(دیہاتی سے) یہ آپ کے حقے کا پائپ اتنا لمبا کیوں ہے؟‘‘

دیہاتی:’’ڈاکٹر صاحب نے مجھے تمباکو سے دور رہنے کے لیے کہا ہے۔‘‘

(سمیہ بنت حسن احمد۔حیدرآباد)

☆ ایک سائیکل سوار پولیس والے کے سامنے سے گزرا۔کچھ آگے جا کر وہ واپس پلٹا اور پولیس والے سے کہنے لگا:

’’آپ نے مجھے پہچانا،میں کون ہوں؟‘‘

وہ بے چارہ سوچ میں پڑ گیا،کوئی جواب نہ دے سکا۔اُس پر اس سائیکل سوار نے کہا:

’’آپ کا حافظہ بہت کمزور ہے، میں وہی تو ہوں جو ابھی ابھی آپ کے سامنے سے گزرا تھا۔‘‘

(ناہید۔ٹھٹھہ)

☆ ہوٹل کے کمرے میں داخل ہوتے ہی سیاح کی نظر میز پر رکھے ہوئے پوسٹر پر پڑی،جس پر درج تھا:

آگ لگنے کی صورت میں اگلے صفحے پر معلومات حاصل کریں۔

مارے تجسس کے اس نے جلدی سے صفحہ الٹ دیا۔اس پر لکھا تھا:

’’بے وقوف!آگ لگنے کی صورت میں۔‘‘

(محمد فرخ حسین۔سکھر)

☆ ایک صاحب کی بینائی کمزور ہورہی تھی۔وہ ڈاکٹر کے پاس گئے۔ڈاکٹر نے آنکھوں کا معاینہ کرنے کے بعد کہا:

’’ابھی عینک نہ لگوائیں۔آپ گاجریں کھانا شروع کردیں۔‘‘

’’مگر گاجریں تو میرے خرگوش بہت رغبت سے کھاتے ہیں۔یہ عجیب علاج ہے۔‘‘ان صاحب نے تعجب سے کہا۔

’’اسی لیے تو آپ نے اپنے کسی خرگوش کو عینک لگاتے نہیں دیکھا۔‘‘ڈاکٹر نے جواب دیا۔

(حیدر علی۔میرپورخاص)

☆ پاگل خانے کا معاینہ کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب ایک کمرے میں داخل ہوئے تو وارڈ بوائے نے کہا:

’’ڈاکٹر صاحب!یہ کمرا اُن ذہنی مریضوں کا ہے جو آٹو موبائل انجینئر اور مکینک ہیں۔‘‘ڈاکٹر نے حیرت سے پوچھا:

’’لیکن یہ لوگ کہاں ہیں؟بستر پر تو کوئی نظر نہیں آرہا۔‘‘

’’جناب!سب کے سب بستر کے نیچے ہیں اور گاڑیوں کی مرمت کررہے ہیں۔‘‘وارڈ بوائے نے جواب دیا۔

(صفیہ سہیل۔کراچی)

# داؤد صاحب کی کرسی

مبشرہ خالد۔ کراچی

ذوق وشوق پڑھنے والے دوستو! یقیناً آپ کو یوں محسوس ہوتا ہوگا کہ جو چیزیں آپ کے یا پھر آپ کے والدین، دادا، دادی کے استعمال میں ہیں وہ بغیر کسی احساسات اور جذبات کے ہوتی ہیں، مگر آج میں آپ کو ایک کرسی کی کہانی سنا رہی ہوں، جسے سن کر آپ کو یوں محسوس ہوگا جیسے وہ کرسی آپ کے دادا یا دادی کی ہے اور آپ کے گھر میں موجود ہے، مگر آپ اسے اہمیت نہیں دیتے۔

.....☆.....

آج پتا نہیں گھر میں اتنا سناٹا کیوں ہے!؟ صبح کے ساڑھے آٹھ بج رہے ہیں، مگر قرآن کی تلاوت کی آواز نہیں آرہی۔

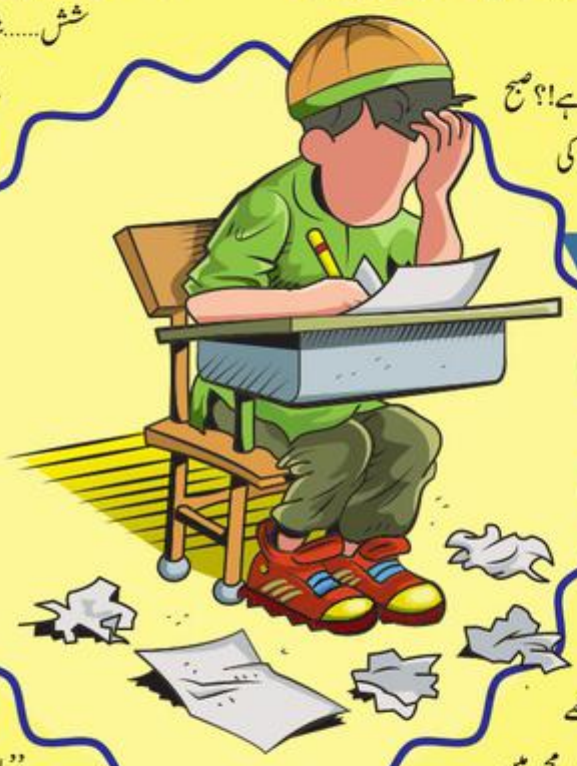

اوہو! میں نے آپ سے اپنا تعارف نہیں کروایا۔ میں ایک کرسی ہوں۔ مجھے مستری نے بے حد محنت سے بنایا ہے۔ مجھ میں یہ خاصیت ہے کہ مجھے بند کر کے کہیں بھی اپنے ساتھ لے کر جایا جاسکتا ہے۔ میں کراچی میں فرنیچر کی دکان میں سجی ہوئی تھی، مجھے وہاں سے داؤد صاحب نے اپنے لیے خرید لیا۔

مجھے داؤد صاحب سے خاص انس ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ مجھے اپنے ساتھ مسجد لے کر جاتے ہیں، میرے اوپر بیٹھ کر نماز پڑھتے ہیں اور صبح صبح قرآن کی تلاوت بھی میرے اوپر بیٹھ کر ہی کرتے ہیں۔ مجھے ان کی آواز میں قرآن سننا بہت اچھا لگتا ہے۔

ویسے تو اِس گھر میں بیگم داؤد، ان کے بیٹے، بہو اور بیٹی بھی رہتے ہیں، مگر چوں کہ میں داؤد صاحب کے زیرِ استعمال ہوں، اس لیے مجھے بس داؤد صاحب کا ہی ہر وقت خیال رہتا ہے۔

پچھلے کچھ دنوں سے ان کی طبیعت خراب تھی۔ وہ ہسپتال گئے تو میں نے خود کو بہت تنہا اور اکیلا محسوس کیا، مگر ابھی بھی پچھلے دو، چار دِن سے وہ نظر نہیں آرہے، شاید کہیں گئے ہوئے ہیں، لیکن اگر کہیں گئے ہوتے تو میں بھی ان کے ساتھ جاتی، کیوں کہ میں ان کی نماز کی ساتھی ہوں، وہ نماز تو میرے اوپر ہی بیٹھ کر پڑھتے ہیں، پھر وہ مجھے چھوڑ کر کیسے جاسکتے ہیں! یقیناً کوئی اور ہی وجہ ہے۔ کچھ دنوں سے گھر کی فضا بھی بوجھل ہے۔ مختلف لوگوں کی آمد و رفت بھی ہے اور مجھے انجان لوگ بھی استعمال کر رہے ہیں۔ مجھے داؤد صاحب بہت یاد آرہے ہیں۔

شش.....شاید کوئی آرہا ہے! ارے یہ تو بیگم داؤد ہیں۔ انھوں نے مجھے اٹھالیا اور اَب نماز کی نیت بھی باندھ لی، تو داؤد صاحب کہاں ہے؟

''امی! ایسا کریں اب یہ کرسی آپ استعمال کرلیں۔''

کیوں ایسا کیوں؟ فاروق اپنی امی کو یہ کیوں کہہ رہا ہے!؟

''ہاں بیٹا! اب تمھارے ابو تو ہم میں نہیں رہے، اس لیے اب یہ کرسی میں ہی استعمال کرلیتی ہوں۔''

کیا داؤد صاحب اس دنیا میں نہیں رہے؟ پھر مجھے قرآن کون سنائے گا؟ میں بہت اداس ہوں، اب مجھے قرآن کون سنائے گا؟

# گھاٹے کا سودا

محمد مبشر عطاری۔ شیخوپورہ

''ارے بھائی! آرام سے رکھو، ان ڈبوں کو، کانچ کا سامان ہے ان میں، ذرا سی کوتاہی بڑے نقصان کا سبب بن سکتی ہے۔'' افضل صاحب نے مزدوروں کو ہدایت کی۔

''حیدر! قاسم اور برہان کو ساتھ لے جاؤ اور باہر ٹرک سے باقی ڈبے اتار لاؤ، احتیاط سے۔ ٹھیک ہے نا!'' افضل صاحب نے حیدر کو اشارہ کرتا ہوئے کہا۔

''یہ لو تم سب کی مزدوری۔'' افضل صاحب نے کام مکمل ہونے کے بعد مسکراتے ہوئے اُن کو مزدوری تھمائی۔ پانچ سو روپے کا نوٹ دیکھ کر اُن کے چہرے کھل اٹھے، کیوں کہ صرف گھنٹے بھر کے کام کی ان کی نظر میں یہ ایک خطیر رقم تھی۔

''شکریہ جناب!'' سب ہم آواز ہو کر بولے اور فیکٹری سے باہر کا رُخ کیا۔

''یار! مجھے تمھاری یہ بات سمجھ میں نہیں آتی! ہر کسی پر پیسا بہائے جاتے ہو۔ اب اِن مزدوروں کو پانچ سو روپے دے ڈالے، سود و سودے کر فارغ کرتے۔'' افضل صاحب کے دوست قیصر نے چائے کی چُسکی لیتے ہوئے کہا۔

''ارے کیسی باتیں کرتے ہیں قیصر بھائی! میں سوچتا ہوں کہ ان کے گھر بھی دو وقت کی روٹی کا انتظام ہو جائے۔ آخر غریب کی مدد کرنا بھی تو کارِ ثواب ہے اور اُنھوں نے تو پورا گھنٹا اِس شدید گرمی میں کام کیا ہے، یہ تو اُن کا حق بنتا ہے۔'' افضل صاحب نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

''بھائی افضل ہی ہو سکتا ہے اتنا سخی، ورنہ تو آج کل کے زمانے میں کون غربا کی مدد کرتا ہے اور مزدوروں کو معقول مزدوری دیتا ہے۔'' سلیم نے بھی جملہ جڑ دیا۔

''خیر چھوڑو، تم بتاؤ، کیسا چل رہا ہے کام؟'' افضل صاحب نے موضوع بدلا۔

''بھائی! کیا بتاؤں، خسارہ ہی خسارہ ہے۔ ہمارے صابن کی مانگ ہی کم ہو گئی ہے جب سے وہ نیا صابن ''کلین اپ'' مارکیٹ میں آیا ہے۔'' قیصر نے شکوہ کرتے ہوئے کہا۔

''لیکن اِس کی ایک اور وجہ یہ بھی تو ہے کہ اُس کی قیمت انتہائی کم ہے، اور معیار چاہے آپ کے برابر کا ہو یا اُس سے کم، اِس مہنگائی کے دور میں تو لوگ وہی استعمال کریں گے نا!'' سلیم نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

''اچھا، اچھا اب زیادہ عقل مند نہ بنو۔'' قیصر نے ناراض ہوتے ہوئے کہا۔

''یہ چائے آج ہی ختم کرنی ہے، اور یہ بسکٹ بھی۔'' فہیم صاحب نے قیصر کا مزاج تیز ہوتا دیکھا تو مزاح پیدا کرتے ہوئے بسکٹ کی ٹرے آگے کی، جس پر وہ دونوں مسکرانے لگے۔

افضل صاحب کا شمار ملک کے نام وَر امپورٹر ایکسپورٹرز میں ہوتا تھا۔ ان کی ایمان داری اور سخاوت کی وجہ سے ان کا کاروبار خوب چمک رہا تھا۔ قیصر اور سلیم اُن کے بچپن کے دوست تھے۔ وہ دونوں شروع ہی سے افضل صاحب کے اعلیٰ اخلاق کے قائل تھے۔ کبھی کسی غریب کو چھوٹا موٹا کاروبار شروع کروا دینا، فیکٹری میں ملازموں کا خیال رکھنا کہ کہیں وہ کسی وجہ سے پریشان تو نہیں اور اُن کی مالی مدد کرنا، یہ گویا اُن کا روزمرہ کا معمول تھا۔ ملازم کو غلطی کی بنا پر ڈانٹ دینا تو اُن کی شان کے خلاف تھا۔ الغرض یہ کہ وہ ایک فرشتہ صفت انسان تھے۔

.....☆.....

''سر! باہر سوٹ بوٹ میں ملبوس ایک صاحب آئے ہیں، اجنبی ہیں، پہلے تو کبھی انھیں یہاں نہیں دیکھا۔'' افضل صاحب حسبِ معمول کام کروانے میں مصروف تھے کہ سیکورٹی گارڈ کریم بخش نے آ کر اِطلاع دی۔

''ہمم..... چلو اُنھیں اندر بلا لو۔'' افضل صاحب نے کچھ سوچنے کے بعد کہا۔

''السلام علیکم جناب! میرا نام صفدر ہے، میں آپ سے ایک کام کے سلسلے میں بات کرنے کے لیے آیا ہوں۔ کیا آپ کچھ منٹ بیٹھ کر میری بات سن سکتے ہیں؟'' وہ آدمی افضل صاحب سے گویا ہوا۔

''وعلیکم السلام، جی ضرور، کیوں نہیں!'' افضل صاحب وہاں رکھی کرسیوں کی جانب بڑھے۔

''جاؤ، کلیم اللہ! دو چائے کے کپ اور بسکٹ لے آؤ۔'' انھوں نے کلیم اللہ کو ہدایت کی۔

''جی کہیے۔'' افضل صاحب، صفدر سے مخاطب ہوئے۔

''جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ آج کل کچھ علاقوں میں آٹے کا بحران پیدا ہو گیا ہے، اِس صورت میں لوگ ہر قیمت پر آٹا خریدنا چاہتے ہیں۔'' صفدر نے بات شروع کی۔

''جی بالکل!'' افضل صاحب نے صفدر کی بات کی تائید کی۔

''تو میں چاہتا ہوں کہ میں آپ کے علاقے سے آٹا وہاں ایکسپورٹ کروں اور مہنگے داموں بیچوں، تاکہ زیادہ منافع ہو۔'' صفدر نے اپنی اصلیت کھول دی۔

''لیکن جناب! حکومت نے اس وقت اس پر پابندی لگائی ہوئی ہے، کیوں کہ اس صورت میں ہمارے علاقے میں بھی آٹا دست یاب نہ ہوگا، جو پہلے ہی کچھ لوگوں کی ذخیرہ اندوزی کی وجہ سے مارکیٹ سے تقریباً ختم ہوتا نظر آ رہا ہیں اور جہاں آٹا دست یاب ہے وہاں مہنگے داموں فروخت ہو رہا ہے، لہٰذا میں ایسا کیسے کر سکتا ہوں!؟'' افضل صاحب کو صفدر کی بات پر غصہ آ رہا تھا، لیکن وہ ظاہر نہیں کر رہے تھے۔

''وہ ایسے ہوگا۔'' صفدر نے اپنے کوٹ کی جیب میں سے پانچ پانچ ہزار کے نوٹ کی گڈی نکالی اور افضل صاحب کو بطورِ رشوت تھمانے لگا۔ وہ

یقیناً افضل صاحب کی ایمان داری سے واقف نہ تھا۔ افضل صاحب نے اپنے غصے کو دبایا اور سحر انگیز آواز سے یہ حدیث پڑھنے لگے:

''اَلرَّاشِیْ وَالْمُرْتَشِیْ کِلَاھُمَا فِی النَّارِ (رشوت لینے والا اور دینے والا، دونوں جہنمی ہیں)۔''

(المعجم الاوسط للطبرانی ج:۱،ص:۵۵۰،حدیث:۲۰۲۶)

صفدر حدیث سن کر چونک گیا۔ اُسے اپنے اندر ایک عجیب سی کیفیت محسوس ہوئی، جیسے اُس کے جسم کا ہر عضو اُس کے اِس ناجائز کام کی نفی کر رہا ہو۔ اُسے اپنے اندر گھبراہٹ سی محسوس ہونے لگا۔

''افضل صاحب! میں سمجھ گیا۔ یقیناً وہی ہمارے حق میں بہتر ہے جو رسول اللہ ﷺ نے فرمادیا۔'' صفدر نے خوف خدا سے سرشاری کی کیفیت میں کہا اور وہاں سے اُٹھ کر چل دیا۔

یقیناً غصے سے تو کام بگڑ جایا کرتے ہیں، اور افضل صاحب کے صبر کی وجہ سے صفدر صراط مستقیم پر آ گیا تھا۔

# کتاب کی اہمیت

محمد حذیفہ معاویہ تونسوی۔ ڈیرہ غازی خان

کتاب کسے کہتے ہیں؟ کسی لکھاری اور مصنف کے تخیل میں موجود وہ خیالات، جذبات، فکر، سوچ اور درد، جو مختلف الفاظ کی شکل میں کاغذ کے سینے پر منتقل ہو کر ایک طویل اور لمبی، دل چسپ اور ولولہ انگیز، تحریر کی شکل اختیار کر لے، پھر اَوراق کی شکل میں محفوظ اس تحریر کو دو گتوں کے درمیان جوڑ کر اُس کے ماتھے پر عنوان سجا دیا جائے۔ جو دیکھنے میں خاموش، مسکین اور بے جان دکھائی دے، مگر حقیقت میں مصنف کا وہ درد، فکر، منصوبہ اور خاکہ ہو جو عالم میں انقلاب برپا کر دے، قوموں کی تاریخ بدل ڈالے، انسانیت کو جہالت کی گہرائیوں سے نکال کر عزت کی بلندیوں تک پہنچا دے۔

دوسرے لفظوں میں وہ مجموعہ جو اَوراق کی شکل میں موجود ایک منہج کے ذریعے زندگی کے سفینے کو راستہ فراہم کر دے، ناامید اور زندگی سے مایوس افراد کو دوسرے افراد، بل کہ پورے عالم کے لیے راہ نمائی کا ذریعہ بنا دے۔ جاہل کو پورے عالَم اور عالم کو علم کی بلند ترین چوٹیوں پر پہنچا دے۔ زمین پر گرے تنکے کو اُٹھا کر آسمان کی بلندی پر سجا دے، اسے کتاب کہتے ہیں۔

تاریخ انسانی کا مطالعہ کریں تو یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہوتی ہے کہ انسان اور کتاب کا رشتہ ازل سے ہے اور اَبد تک رہے گا۔ خالق کائنات نے جہاں نوع انسانی کی رشد و ہدایت کے لیے، پیغمبر، رسول اور نبی بھیجے وہیں خداوند قدوس نے مختلف انبیا علیہم السلام پر صحیفے اور کتابیں نازل فرمائیں۔ ہر نبی نے اپنی امت کی اسی کتاب اور صحیفے سے راہ نمائی فرما کر اُنھیں راہِ مستقیم پر چلنے کے اصول و ضوابط سمجھائے، گویا کتاب انسان کی رشد و ہدایت کے لیے بنیاد کا درجہ رکھتی ہے۔

کسی دانش وَر کا قول ہے اگر آپ اپنی زندگی میں کام یاب ہونا چاہتے ہیں، زمین پر حکمرانی، عزت، مرتبہ اور مقام کے خواہش مند ہیں تو بولنا سیکھیں۔ اسی طرح اگر آپ مرنے کے بعد لوگوں کے دل و دماغ اور تاریخ کے بکھرے اورق میں زندہ رہنا چاہتے ہیں تو لکھنا سیکھیں۔

کتاب، کسی قلم کار اور مصنف کی لکھائی کا طویل اور تفصیلی مجموع ہوتا ہے، اسی لیے ایک مصنف دنیا کے اس مسافر خانے سے رخصت ہونے کے باوجود بھی مردہ نہیں ہوتا، بل کہ اس کی تصنیف اسے آنے والے افراد اور اقوام کے دلوں میں ہمیشہ زندہ رکھتی ہے۔

نیک مقصد، ارادے اور نیت سے وجود میں آنے والی تصنیف اپنے مصنف کے لیے ایک نہ ختم ہونے والا صدقہ ہوا کرتی ہے۔ بڑے بڑے نام وَر مقرر، خطبا اور اہل علم جب دنیا سے رخصت ہوئے تو اُن کے آخری الفاظ یہ تھے:

''کاش ہم بھی کچھ لکھ کر جاتے تو وہ آج ہمارے دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد ہمارے لیے صدقہ جاریہ ہوتا۔''

کتاب کی اہمیت، افادیت اور مقام کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ قومیں جنھوں نے کتابوں کو اپنا دوست، ساتھی اور رفیق بنایا ان کی عظمت و عرفان کے چرچے آج بھی پوری دنیا میں گونج رہے ہیں۔ ایک جاپان کی مثال ہی لے لیں۔ پورے ایشیا میں علوم اور فنون کے لحاظ سے بلند مرتبہ، مقام اور حیثیت کا حامل ہے۔ بنیادی وجہ یہ ہے کہ اس قوم نے نہ صرف کتاب اور علم کی اہمیت، افادیت اور قدر کو سمجھا، بل کہ کتابوں کو اپنا اوڑھنا بچھونا، ہم سفر اور مستقل رفیق بنا ڈالا۔

ان کے بچوں سے لے کر جوانوں تک، نواجوں سے کر بوڑھوں تک، مرد کیا عورت کیا، بچے، جوان، بوڑھے، ہر شخص کتاب کا دیوانہ نظر آتا ہے۔ ان کی دکانوں، مارکیٹوں ہوٹلوں اور تفریحی مقامات میں کتابوں کا خاص انتظام کیا جاتا ہے۔

بقیہ صفحہ نمبر 54 پر

# روڈ ٹو ٹیکسلا

الطاف حسین۔ کراچی

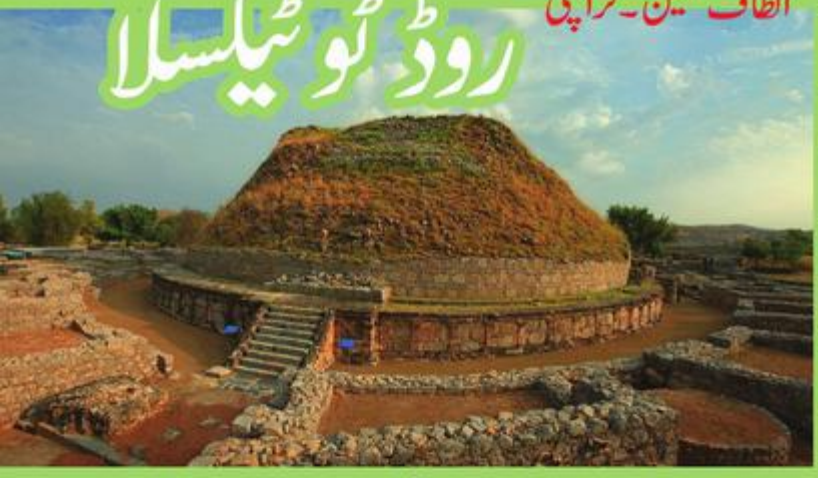

ٹیکسلا کی سرزمین پر قدم رکھتے ہی آپ خود کو قدیم عہد کا حصہ محسوس کریں گے اور اس قدیم ترین وادی اور اس کے شہروں کے کھنڈرات کی سیر کے دوران میں آپ کو ہر لمحے یہی احساس ہوگا جیسے آپ انھی لوگوں کے درمیان چل پھر رہے ہیں جو آج سے ہزاروں سال پہلے یہاں رہا کرتے تھے۔

ٹیکسلا کی تاریخ کی ابتدا 600 قبل مسیح سے ہوتی ہے، جب یہ شہر ''گندھارا تہذیب'' کا دارالحکومت بنا۔ اس تہذیب کی سرحدیں سطح مرتفع پوٹھوہار سے پاکستان کے شمالی مغربی علاقوں تک پھیلی ہوئی تھیں۔ اس قدیم شہر کی مذکورہ حیثیت 600ء تک برقرار رہی، یعنی یہ شہر تقریباً بارہ سو سال تک مذکورہ تہذیب کا دارالحکومت رہا۔ اس شہر نے کئی خاندانوں کی حکومتوں کا عروج و زوال دیکھا۔

سب سے پہلے ٹیکسلا ''ششو ناگ'' خاندان کی بادشاہت میں شامل ہوا، جس کے دس بادشاہوں نے یہاں مجموعی طور پر 318 سال تک حکومت کی۔

272 قبل مسیح میں جب مہاپدم نند نے یہاں ایک نئے شاہی خاندان ''نند'' کی حکومت قائم کی تو ٹیکسلا شہر اُس دور میں ایک مضبوط ریاست کی حیثیت سے دنیا کے نقشے پر اُبھرا۔ راجا امبھی اس خاندان کا نواں اور آخری بادشاہ تھا جس کے دورِ حکومت کے دوران میں 326 قبل مسیح میں مشہور یونانی بادشاہ سکندر اعظم نے وادی ٹیکسلا کے پہلے شہر ''بھر ماؤنڈ'' پر لشکر کشی کی۔ راجا امبھی نے جنگی صورتِ حال دیکھتے ہوئے مشروط طور پر سکندر اعظم کی اطاعت قبول کرتے ہوئے اپنا علاقہ اس کے حوالے کر دیا۔ سکندر اعظم کو ملکوں پر حکومت کرنے کا اتنا شوق نہیں تھا۔ اس کی تو بس ایک ہی خواہش تھی کہ کسی طرح ساری دنیا کو فتح کر لے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ جو ملک، شہر یا علاقہ فتح کرتا تھا وہاں اپنا گورنر مقرر کر دیتا تھا اور اُس کے بعد اپنے لشکر کے ساتھ کسی اور شہر کی طرف کُوچ کر جاتا تھا۔ یہاں بھی اس نے ایسا ہی کیا۔ ٹیکسلا میں اپنا گورنر مقرر کیا اور وادی جہلم کی طرف روانہ ہو گیا۔

ان دنوں ٹیکسلا میں فنِ سنگ تراشی کو بہت عروج حاصل تھا۔ یہاں اس فن کے بڑے بڑے ماہر کاری گر موجود تھے۔ یونانیوں نے انھی سنگ تراشوں کی بے مثال ہنر مندی کو دیکھتے ہوئے اس شہر کو ''تکشاسیلا'' کا خوب صورت نام دیا تھا۔ یونانی زبان میں اس نام کے معنی ہیں: ''سنگ تراشوں کا شہر''۔ یہی ''تکشاسیلا'' بعد میں ''ٹیکسلا'' مشہور ہوا۔

322 قبل مسیح میں برِصغیر میں قائم خاندان موریہ کی حکومت کے بانی چندر گپت موریہ نے یہاں موجود یونانیوں کو شکست دے کر ٹیکسلا کی پوری وادی پر قبضہ کر لیا اور پھر کچھ عرصے بعد اردگرد واقع دیگر شہروں پر بھی قبضہ کر کے دنیا کی پہلی ہندو مملکت کی بنیاد رکھی۔ 298 قبل مسیح میں چندر گپت موریہ کے مرنے کے بعد اُس کا بیٹا بندوسار تخت نشین ہوا، جس نے 255 قبل مسیح تک حکومت کی۔ اس کے بعد موریہ خاندان کے تیسرے حکمران اشوک اعظم نے حکومت کی باگ ڈور سنبھالی، جو چندر گپت موریہ کا پوتا تھا۔

اشوک اعظم نے مہاتما بدھ کے متعارف کردہ مذہب ''بدھ مت'' کی تعلیمات سے متاثر ہو کر بدھ مت مذہب اختیار کر لیا۔ اشوک اعظم کے دور میں ٹیکسلا نے بہت ترقی کی اور اِس شہر کو بُدھ مت کے سب سے بڑے مرکز کی حیثیت حاصل ہوئی۔ اشوک اعظم نے یہاں بدھ مت کی عبادت گاہیں اور خانقاہیں تعمیر کرائیں اور مہاتما گوتم بدھ کی تعلیمات کو کتبوں وغیرہ پر کندہ کروا کر جگہ جگہ نصب کرایا۔

اشوک اعظم نے ''جولیاں'' کے مقام پر ''اشوکا یونی ورسٹی'' قائم کی، جو قدیم دور کی مشہور درس گاہوں میں سے ایک تھی۔ لوگ دُور دُور سے اس یونی ورسٹی میں علمِ طب اور بدھ مت کی تعلیمات کے ساتھ دیگر علوم سیکھنے آتے تھے۔

ایک روایت کے مطابق جب اشوک اعظم کے ایک بیٹے کی آنکھیں اس کی سوتیلی ماں نے نکلوا دی تھیں تو اُس کا علاج بھی اسی یونی ورسٹی میں کیا گیا تھا۔

اشوک اعظم کے مرنے کے بعد اُس کی مملکت آہستہ آہستہ زوال پذیر ہونا شروع ہوئی اور 185 قبل مسیح میں موریہ خاندان کے آخری حکمراں راجا بدیر رتھ کے قتل کے بعد موریہ مملکت ختم ہو گئی۔

190 قبل مسیح میں بلخ (افغانستان) کے باختری یونانی بادشاہ ڈیمیٹریوس نے پشاور سمیت کئی علاقوں پر قبضہ کر لیا، جن میں ٹیکسلا بھی شامل تھا۔ اسی سال اس نے ٹیکسلا کی وادی میں ''سرکپ'' کے نام سے ایک اور شہر بسایا۔

75 قبل مسیح میں باختری یونانیوں کو ملک فارس (موجودہ ایران) کے

تورانی حملہ آوروں نے شکست دی اور اِس شہر پر اپنا تسلط قائم کرنے میں کام یاب ہو گئے۔

120ء میں کشان خاندان نے تورانیوں کو شکست دے کر اِقتدار حاصل کر لیا۔ کنشک اس خاندان کا پہلا حکمران تھا، جس نے 120ء سے 160ء تک حکومت کی۔ کنشک نے ٹیکسلا کی وادی میں ایک نیا شہر بسایا، جس کا نام ''سرسکھ'' رکھا گیا۔ یہ نیا شہر کشان خاندان کا علاقائی دارالحکومت قرار پایا۔ کنشک کے دورِ حکومت میں پشاور اور ٹیکسلا، بدھ مت کی تعلیم کے بڑے مراکز بن گئے اور دُور دُور کے ملکوں کے طلبہ ان شہروں میں قائم بدھ درس گاہوں میں تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے آنے لگے۔

کنشک کے دور میں فنِ سنگ تراشی کی ایک نئی طرز ''گندھارا آرٹ'' کے نام سے وجود میں آئی۔

320ء میں کشان خاندان کی حکومت کا خاتمہ ہوا اور گُپت خاندان کے بانی چندر گُپت اول کی حکومت قائم ہوئی۔ اس کے دورِ حکومت میں ''ہندو دھرم'' کو دوبارہ عروج حاصل ہوا اور ہندی کلینڈر کا آغاز بھی ہوا۔

455ء میں گُپت خاندان کے پانچویں حکمران سکند اگُپت کے دورِ حکومت میں وسط ایشیا کی ایک جنگ جُو قوم ''سفید ہن'' نے اپنے سردار تورامان کی قیادت میں ''سرسکھ'' شہر پر حملہ کر دیا۔ اس تباہ کن حملے میں ٹیکسلا کا یہ شہر (سرسکھ) کھنڈر بن گیا۔ تورامان کے بعد جب اس کے بیٹے مہر گُل نے اقتدار سنبھالا تو اُس کے حکم پر بدھ بھکشوؤں کا قتلِ عام کیا گیا اور اُن کی عبادت گاہیں اور خانقاہیں بھی تباہ کر دی گئیں۔ سفید ہنوں نے طویل عرصے تک یہاں قبضہ جمائے رکھا۔ 606ء میں جب ہندوستان میں گُپت خاندان کا آخری حکمران راجا ہرش وردھن تخت نشین ہوا تو اُس نے آس پاس کے علاقوں کے ہندو حکمرانوں سے اتحاد قائم کر کے اس قوم کو مار بھگایا۔

647ء میں راجا ہرش کے مرنے کے بعد مملکت گُپت کا خاتمہ ہو گیا اور پھر حوادثِ زمانہ نے ٹیکسلا کو زمین میں دفن کر دیا۔

1904ء میں انگریز ماہر آثارِ قدیمہ جان مارشل نے اس گم شدہ شہر کے کھنڈرات کا سراغ لگایا اور کھدائی کا شروع کیا گیا، جس کے نتیجہ میں ''سرکپ'' کے آثار دریافت ہوئے۔ 1913ء سے 1914ء تک کی جانے والی کھدائیوں کے دوران میں ٹیکسلا کی وادی کے دیگر دو شہروں ''بھر ماؤنڈ'' اور ''سرسکھ'' اور ''جولیاں'' کا مقام دریافت ہوا۔

ٹیکسلا کے کھنڈرات راول پنڈی شہر سے تقریباً 31 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہیں۔ 16 مربع کلومیٹر میں پھیلے ہوئے ان کھنڈرات کو دیکھ کر اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آج سے سیکڑوں سال پہلے یہاں آباد لوگوں کے رہن سہن کے طریقے کس قدر عمدہ اور ترقی یافتہ تھے۔ یہ لوگ اپنے مکانات پکی اینٹوں سے بناتے تھے اور گلیاں کشادہ رکھتے تھے۔ ان کے شہروں میں پانی کی فراہمی اور نکاسیِ آب کا نظام بھی بہت عمدہ تھا۔ ان کے صحت و صفائی کے انتظامات بھی بہترین تھے۔ ان لوگوں نے اپنے ہر شہر کے اردگرد مضبوط فصیلیں اور قلعے بھی تعمیر کیے تھے، تاکہ بیرونی حملوں کی صورت میں اپنے شہروں کا مؤثر انداز میں دفاع کر سکیں۔

گندھارا تہذیب کی نمائش یوں تو دنیا بھر کے مشہور عجائب گھروں میں کی گئی ہے، لیکن اس تہذیب کے تاریخی اور قیمتی نوادرات کا جو مکمل اور بے مثال مجموعہ ٹیکسلا میوزیم میں محفوظ کیا گیا ہے ویسا عظیم الشان اثاثہ آپ کو دنیا کے کسی عجائب گھر میں دکھائی نہیں دے گا۔ یہاں قدیم دور کی اشیا کی اس قدر سلیقے سے

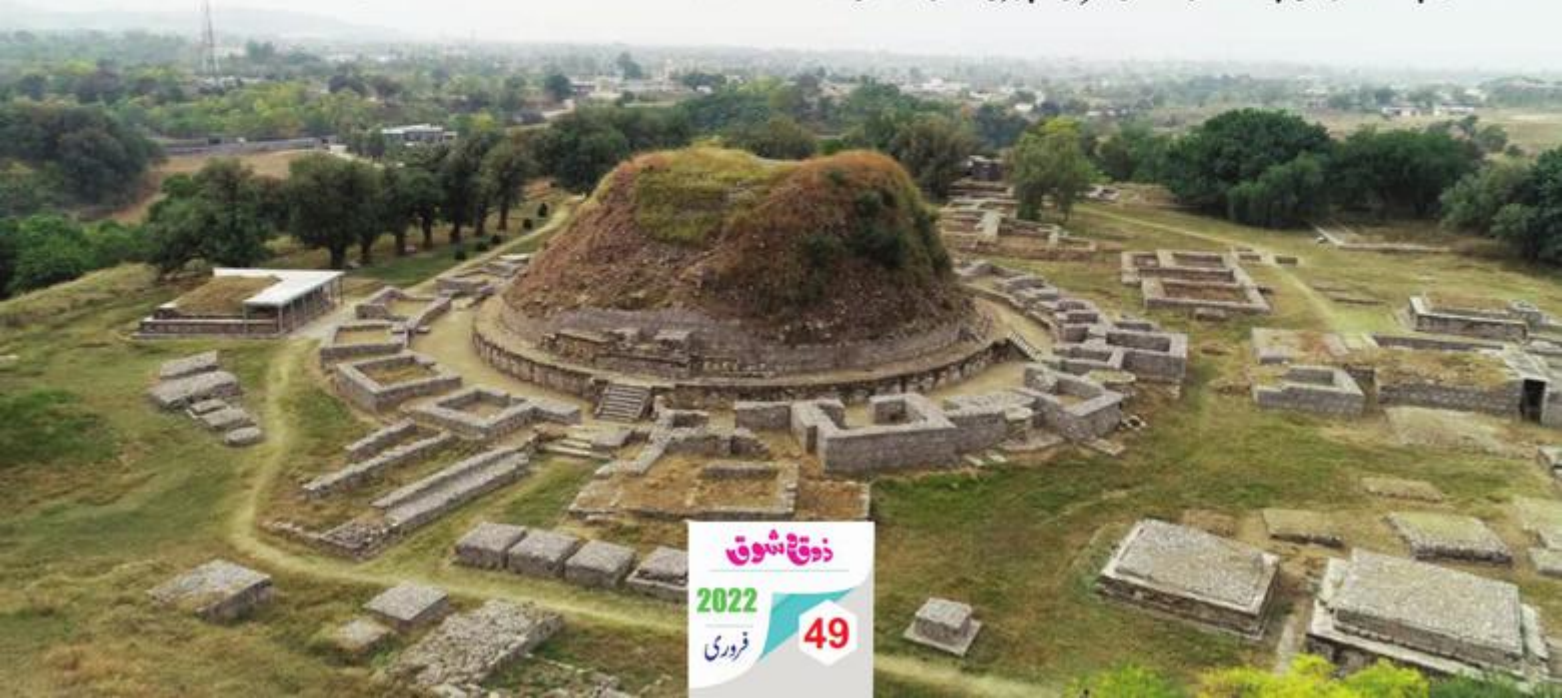

نمائش کی گئی ہے کہ دیکھنے والوں کو اپنے ذہن کے پردے پر عہدِ رفتہ کی ایک تخیلاتی فلم سی چلتی محسوس ہوتی ہے۔ عجائب گھر کے ایک کمرے میں آپ کو مختلف دھاتوں سے بنائے گئے سکّے بھی نظر آئیں گے، جن پر نقش شدہ تصویروں سے ٹیکسلا کی وادی کے مختلف ادوار کی عکاسی ہوتی ہے۔

جب آپ عجائب گھر کے ''اسٹرانگ روم'' میں داخل ہوں گے تو اِس کمرے میں آپ کو سونے کے جڑاؤ زیورات رکھے نظر آئیں گے، جن میں بالیاں، جھمکے، ہار، گلوبند، کمربند، پازیب، کڑے اور اَنگوٹھیاں وغیرہ شامل ہیں۔

عجائب گھر کے جنوبی ہال میں آپ کو ٹیکسلا کے کھنڈرات سے دریافت ہونے والے مختلف اقسام کے برتن رکھے دکھائی دیں گے۔ ان برتنوں کی بناوٹ مقامی، رومی، تورانی، یونانی اور شامی طرز کے برتنوں سے ملتی جلتی ہے۔ ان برتنوں میں سے بعض برتن رنگین ہیں اور اکثر برتنوں پر خوب صورت نقش ونگار بنے ہوئے ہیں۔ ان کے علاوہ لوہے سے بنائی گئی بند (فولڈ) ہونے والی کرسیاں، زرعی آلات، علم جراحت (سرجری) میں استعمال ہونے والے آلات، موچی اور بڑھئی کے پیشوں سے متعلقہ اوزار اور دیگر بہت کچھ آپ کو اِسی ہال میں دکھائی دے گا۔ ان اشیا کو دیکھ کر آپ بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں ٹیکسلا قدیم دور میں کس قدر عظیم الشان شہر تھا!

عجائب گھر سے کچھ فاصلے پر آپ کو شاہی محل کے آثار نظر آئیں گے۔ یہ محل اشوری فنِ تعمیر سے ملتا جلتا ہے۔ سرکپ شہر کی مرکزی سڑک کی بائیں جانب ''دو سَروں والے عقاب'' کی عبادت گاہ بھی دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ یہاں آپ کو یونانی فنِ تعمیر کے کئی نمونے دکھائی دیں گے۔ جن میں کورنتھی طرز کے ستون شامل ہیں۔

شاہی محل کے قریب ہی یونانی مندر ''جنڈیال'' واقع ہے، جو پورے ایشیا میں قائم واحد یونانی عبادت گاہ ہے۔ مرکزی سڑک پر آگے چل کر ''سرسکھ'' شہر آتا ہے۔ یہاں کشان خاندان کے دورِ حکومت میں متعدد بدھ عبادت گاہیں اور خانقاہیں تعمیر کی گئی تھیں۔ ان میں سے سب سے اچھی طرح ''جولیاں'' کے مقام پر واقع عبادت گاہ کو محفوظ کیا گیا ہے۔ یہ عبادت گاہ ایک اونچی پہاڑی پر بنائی گئی ہے، جہاں سے خوب صورت سرسبز وشاداب کھیت اور علاقے کے اطراف میں پھیلی پہاڑیاں دکھائی دیتی ہیں۔

ٹیکسلا کی دیگر قابلِ دید عمارتوں میں اسمبلی ہال، بھکشوؤں کے رہائشی کمرے، عبادت گاہیں، مراقبہ گاہیں، کھانے کا کمرا، اسٹور روم اور باورچی خانہ شامل ہیں۔ سب سے بڑا اور مشہور عبادت گاہ ''دھرماراجی کی عبادت گاہ'' ہے، جس کے اردگرد کئی چھوٹے عبادت گاہیں اور خانقاہیں بنی ہوئی ہیں۔ ان عبادت گاہوں پر ''کھرمشتی'' زبان کندہ کی گئی ہے، جس کا ترجمہ سب سے پہلے ایک برطانوی پروفیسر ڈیول نے کیا تھا۔ بعد میں برطانیہ کے عالمی شہرت یافتہ ماہرِ آثارِ قدیمہ جان مارشل نے یہ تاریخ اپنی مشہور کتاب ''گائیڈ ٹو ٹیکسلا'' میں قلم بند کی تھی۔ قدیم دور کی طرح آج بھی جاپان، چین اور دیگر بدھ مت سے تعلق رکھنے والے ممالک سے بھکشوؤں (راہبوں) کے قافلے ٹیکسلا آتے ہیں۔ یہ لوگ ان کھنڈرات میں موم بتیاں جلاتے ہیں، مذہبی رسومات ادا کرتے ہیں اور بدھ مت کے پیروکاروں میں مٹھائیاں تقسیم کرتے ہیں۔

یہ تو تھے قدیم ٹیکسلا کے حالات! آیئے، اب آپ کو جدید ٹیکسلا لے چلتے ہیں، جو ''جی۔ٹی۔روڈ'' کے کنارے بسایا گیا ہے۔

ٹیکسلا نے تعلیم، صنعت وحرفت کے میدان میں نمایاں ترقی کی ہے۔ اسکولوں اور کالجوں کے علاوہ یہاں ایک یونی ورسٹی بھی قائم کی گئی ہے، جس میں انجینئرنگ اور ٹیکنالوجی کی تعلیم دی جاتی ہے۔ پاکستان کی سب سے بڑی بھاری مشینری تیار کرنے کی فیکٹری ''ہیوی مکینیکل کمپلیکس'' بھی اسی شہر میں قائم کی گئی ہے۔ یہ اہم ترین ادارہ 1968ء میں پاکستان کے پڑوسی ملک چین کے تعاون سے قائم کیا گیا تھا، جب کہ 1970ء میں اس ادارے نے پیداواری کام شروع کیا تھا۔ یہاں سالانہ 60 لاکھ ٹن لوہا پگھلایا جاتا ہے، جس سے بہت سی اشیا، مثلاً آٹا پیسنے اور سیمنٹ تیار کرنے کی مشینیں، ٹیکسٹائل کی صنعت اور خراد کے کام سے متعلقہ مشینیں اور آلات کے علاوہ ٹرک اور کرینیں تیار کر کے پاکستان کے مختلف اداروں کو فراہم کی جاتی ہیں۔ 1972ء میں یہاں دوسری بڑی میکینیکل فیکٹری بھی چین کے تعاون سے قائم کی گئی، جس نے 1976ء میں باقاعدہ طور پر کام کا آغاز کیا۔ یہاں ریلوے انجن، بوگیاں، پہیوں کے ایکسل، بجلی کے جنریٹر، بڑے بڑے ٹرانسفارمر اور لوہے کی دیگر بہت سی مصنوعات تیار کی جاتی ہیں۔

ٹیکسلا میں سیاحت کو فروغ دینے کی غرض سے پاکستان ٹورزم ڈویلپمنٹ کارپوریشن نے سیاح حضرات کے قیام کے لیے ریسٹ ہاؤس اور ڈاک بنگلا تعمیر کرایا ہے۔ سیر کے دوران میں سیاح حضرات کی راہ نمائی کے لیے گائیڈ کی سہولت بھی موجود ہے۔ ان کے علاوہ یہاں ایک یوتھ ہاسٹل بھی تعمیر کرایا گیا ہے۔

آپ نئے اور قدیم ٹیکسلا تک ریلوے اور جی۔ٹی۔روڈ کے ذریعے براہِ راست رسائی حاصل کر سکتے ہیں۔

عزیز قارئین! ٹیکسلا کے تاریخی کھنڈرات اور دِل کش نوادرات آپ کی حسنِ نظر کے منتظر ہیں!

# بدشگونی

محمد فیصل علی۔ سناواں

وہ دونوں ریل گاڑی میں سوار ہو چکے تھے۔ ریل گاڑی نے رفتار پکڑ لی تھی اور اَب تیزی سے دوڑی جا رہی تھی۔ افنان کھڑکی کے پاس بیٹھا تھا، جب کہ دادا جان اس کے ساتھ والی سیٹ پر موجود تھے۔ افنان کے چہرے پر تشویش کے سائے لہرا رہے تھے۔ وہ کھڑکی سے تانک جھانک کر رہا تھا۔ وہ کبھی گاڑی کے آہنی پہیوں کو دیکھنے کی کوشش کرتا تو کبھی ریل گاڑی کے آگے اور پیچھے کی طرف دیکھتا، ساتھ ہی ساتھ وہ بڑبڑا بھی رہا تھا۔

''افنان میاں! کیا دیکھ رہے ہو بھلا؟'' دادا جان نے پوچھا۔

''دادا جان! میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ ریل گاڑی کیسے چل رہی ہے؟ غلط یا صحیح؟'' افنان نے جواب دیا۔

''ہاں تو پھر کیا رہا، کیسے چل رہی ہے؟ ذرا بتاؤ تو سہی۔''

دادا جان نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اسی وقت ریل گاڑی کی رفتار پہلے کی نسبت کچھ تیز ہوگئی اور پہیوں کی مخصوص آواز بھی بڑھ گئی۔ دادا جان نے دیکھا کہ اس تبدیلی کے ساتھ ساتھ افنان کا چہرہ بھی متغیر ہوگیا ہے۔

''دادا جان! مجھے لگتا ہے کہ یہ گاڑی صحیح طرح نہیں چل رہی۔'' افنان گھبرائے ہوئے انداز میں بولا۔

''ارے واہ! تمھیں کیسے پتا چلا؟'' دادا جان نے اس کی گھبراہٹ سے لطف لیتے ہوئے کہا۔

''دادا جان! کہیں یہ پٹڑی سے اتر کر اُلٹ نہ جائے، مجھے لگتا ہے کہ یہ الٹ جائے گی۔'' افنان نے یہ کہہ کر ہونٹ بھینچ لیے، اس کی پریشانی مزید بڑھ چکی تھی۔

دادا جان نے چند لمحے اسے غور سے دیکھا اور پھر بولے:

''افنان میاں! ابھی جب ہم رکشے میں بیٹھے تھے تو تب بھی سارا راستہ تمھیں یہی خطرہ لاحق تھا کہ کہیں یہ رکشا کسی گاڑی سے نہ ٹکرا جائے، کہیں یہ رکشا الٹ نہ جائے اور اَب تمھیں ریل گاڑی کی فکر لاحق ہوگئی ہے اور تم عجیب و غریب باتیں کیے جا رہے ہو۔ یہ کیا بات ہوئی بھلا؟''

''دادا جان! میں تو یہ احتیاطاً کہہ رہا ہوں۔'' افنان نے منہ بنایا۔

''نہیں نہیں، یہ احتیاط نہیں، یہ ہے وہم، بدشگونی اور بدگمانی! احتیاط تو ڈرائیور کو کرنی ہے نہ کہ تمھیں۔'' دادا جان نے انکار میں سر ہلایا۔

''بدشگونی؟ بدگمانی؟'' افنان حیرانی سے سوالیہ لہجے میں گویا ہوا، گویا اسے یہ الفاظ صحیح طرح سمجھ میں نہیں آئے تھے۔

''جی ہاں بیٹے! جب آپ نے سفر کی دعائیں پڑھ لی ہیں اور ایک ایسی گاڑی پر بیٹھے ہیں جس

میں سینکڑوں اور لوگ بھی سوار ہیں، اب نیک گمان یہ ہے کہ آپ کہیں ان شاءاللہ! ہم سب منزل پر پہنچ جائیں گے، نہ کہ یہ کہیں کہ لگتا ہے کہ ہم حادثے کا شکار ہو جائیں گے۔'' دادا جان نے اسے سمجھایا۔

''دادا جان! اگر ہم بُرا سوچیں یا بدشگونی کی باتیں کریں تو کیا ویسا ہو جاتا ہے؟'' افنان نے سوال کیا۔

''ضروری تو نہیں کہ ویسا ہو جائے، لیکن ہو بھی سکتا ہے، ان سب سے ہٹ کر اہم بات یہ ہے کہ ایسی باتیں کر کے ہم کفرانِ نعمت کر رہے ہوتے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے ہمیں خیریت سے رکھا ہوا ہے تو ہم بُرا کیوں سوچیں، بل کہ ہمیں تو اچھا سوچنا چاہیے اور اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہونا چاہیے۔ بدگمانی کرنا ایک مسلمان کو زیب نہیں دیتا۔

ایک حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''میرا بندہ میرے بارے میں جیسا گمان رکھتا ہے میں اس کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرتا ہوں۔ اگر وہ میرے بارے میں اچھا گمان رکھتا ہے تو میرا معاملہ اس کے ساتھ ویسا ہی ہوتا ہے اور اگر وہ میرے بارے بُرا گمان رکھتا تو معاملہ اس کے ساتھ ویسا ہی ہوگا۔''

(مسند احمد)

اس کے علاوہ ایک اور حدیث بھی سنو، جس میں نبی کریم ﷺ نے نیک فال لینے کو پسند فرمایا ہے۔

''نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''بدشگونی کی کوئی اصل نہیں ہے، مجھے نیک فال پسند ہے۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سوال کیا:

''یارسول اللہ! نیک فال کیا ہے؟'' آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''اچھی بات۔''

یعنی کسی بات کو سُن کر اُس سے اچھا مطلب مراد لیا جائے۔

(بخاری شریف، حدیث نمبر: ۵۷۵۵)

''دادا جان! مجھے تو اِن باتوں کا علم ہی نہیں تھا، یہ تو واضح تعلیمات ہیں ہمارے لیے۔ اب میں آئندہ ان باتوں کا خیال رکھوں گا اور اِن پر عمل کرنے کی کوشش بھی کروں گا، ان شاءاللہ تعالیٰ!'' افنان فکرمندی سے بولا۔

''شاباش بیٹے!'' دادا جان نے اس کی بات سن کر اُسے شاباش دی اور پیار کیا۔

# بقیہ: وہ کیا تھا؟

''امی!''

دروازہ کھول کر امی، نمرہ کے کمرے میں آئیں تو وہ بھاگ کر اُن سے لپٹ گئی۔ امی نے آس پاس دیکھا تو اُنھیں کچھ بھی نظر نہ آیا، جب کہ ابو گھر کے دیگر حصوں کی تلاشی لینے لگے۔ جب انھیں اطمینان ہو گیا تو وہ نمرہ کے کمرے میں داخل ہوئے۔

''وہاں کوئی ہے۔''

نمرہ نے ڈرتے ہوئے کہا۔ جتنی دیر میں ابو وہاں آئے اس کے اوسان بحال ہو چکے تھے۔ ابو کو دیکھ کر اُس نے چادر کی جانب اشارہ کیا۔

''کہاں؟'' امی نے نرمی سے پوچھا۔

''میری چادر میں۔''

نمرہ نے کہا تو ابو نے آگے بڑھ کر بتی جلائی اور چادر کو اُٹھایا۔ جیسے ہی ابو نے چادر کو اُٹھا کر جھاڑا ایک چھوٹی سی چوہیا چادر سے گری۔

چوہیا نے جیسے ہی ان سب کو دیکھا تو تیزی سے بھاگنے کے بجائے وہ لنگڑا کر چلنے لگی۔ نمرہ نے اپنے پیر کو تین چار بار جھٹکا تھا اسی وجہ سے بے چاری چوہیا لنگڑی ہو چکی تھی۔

چوہیا کو جاتا دیکھ کر امی ابو کی بے ساختہ ہنسی نکل گئی، جب کہ نمرہ حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔

''گندی چوہیا! میرے پیر سے چپکی ہوئی تھی۔''

نمرہ اپنا دایاں پیر اُٹھا کر چلانے لگی۔ اسے چوہیا کے بارے میں سوچ سوچ کر اب گھن آ رہی تھی۔ وہ جلدی سے باتھ روم میں جا کر پیر کو اچھی طرح سے صابن سے دھو آئی۔

''ابو! مجھے کچھ ہو تو نہیں جائے گا؟''

چوہیا سے لگنے والے جراثیم کے خوف سے وہ رو ہانسی ہو رہی تھی۔

''بیٹا! اسی لیے کہتے ہیں، سنت پر عمل کرنا چاہیے۔'' ابو نے پیار سے ٹوکا۔

''میں نے کہا بھی تھا آپ سے کہ چادر جھاڑ کر کمرے میں لے جانا۔ کپڑوں کو، جوتوں کو، چادر وغیرہ کو جھاڑنا سنت ہے۔ اس میں ثواب کے ساتھ ساتھ ہمارا بھلا بھی ہے۔''

امی نے نرمی سے کہا تو نمرہ نے شرمندگی سے سر جھکا لیا۔ چوہیا لنگڑاتی ہوئی جانے کہاں چلی گئی تھی، مگر ہمیشہ کے لیے نمرہ کو سبق سکھا گئی تھی۔

پیارے بچو! کیا آپ نے بھی اس کہانی سے کوئی سبق سیکھا؟

# پہلا حق

محسن حیات شارف۔ خوشاب

اسکول میں سالانہ تقسیم انعامات کی تقریب تھی۔ سب بچوں کا جوش وخروش دیدنی تھا۔ سب سے پہلے امتحانات میں پوزیشن لینے والے بچوں کو اِنعامات سے نوازا گیا، اس کے بعد ہم نصابی سرگرمیوں کی باری آئی۔

یہ اسکول علاقے بھر میں ایک منفرد مقام رکھتا تھا۔ یہاں تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت پر بھی توجہ دی جاتی تھی۔ بچوں کے مابین مختلف مقابلے کروائے جاتے تھے۔ ان مقابلوں کے انعامات بھی دیے جا چکے تھے۔ اب باری تھی سب سے بڑے انعام کی۔ یہ حسنِ اخلاق کا انعام تھا۔

پورا سال ہر بچے کے اخلاق وآداب کا جائزہ لیا جاتا تھا، پھر اُس کی بنیاد پر یہ انعام دیا جاتا تھا۔ پرنسپل صاحب نے جیسے ہی انعام یافتہ بچے کے نام کا اعلان کیا، پورا ہال داد وتحسین کے کلمات سے گونج اٹھا۔ وہ سب اس فیصلے سے متفق تھے۔ واقعی وہ بچہ پورے اسکول میں سب سے زیادہ خوش اخلاق تھا۔ وہ ہر سال حسنِ اخلاق کا انعام جیتتا تھا۔ اس دفعہ بھی جاذب کا نام پکارا گیا تھا۔ کامران نے آگے بڑھ کر اُسے گلے لگا لیا۔ آخر وہ اس کا بہترین دوست تھا۔

کامران کو اِس اسکول میں آئے تین سال ہو چکے تھے۔ اسے آج بھی اپنا پہلا دن یاد تھا۔ اس دن وہ بہت گھبرایا ہوا تھا۔ اسے اپنا پرانا اسکول اور دوست یاد آ رہے تھے۔ تفریح کے وقت باقی بچے میدان میں کھیل رہے تھے اور وہ اکیلا افسردہ بیٹھا ہوا تھا۔ اچانک کوئی اس کے پاس آ کر بیٹھا۔ اس نے مڑ کر اُسے دیکھا۔ اس بچے نے اپنا نام جاذب بتایا۔ وہ کامران سے باتیں کرنے لگا۔

کامران اس کے نرم لہجے اور اندازِ گفتگو سے بہت متاثر ہوا۔ اس نے کامران کی ہمت بندھائی۔ اس کی باتیں سن کر کامران کو حوصلہ ملا تھا۔ اس کے بعد وہ ہر روز جاذب کے ساتھ بیٹھتا تھا۔ جاذب پڑھائی میں اس کی مدد کیا کرتا تھا۔ چند دِن میں کامران کو پتا چلا گیا کہ جاذب پورے اسکول کا ''جاذب بھیا'' ہے۔ کسی بھی بچے کو پڑھائی میں کوئی مسئلہ ہوتا تو وہ جاذب سے رجوع کرتا۔ اس کے علاوہ تمام اساتذہ بھی اس سے بہت پیار کرتے تھے۔ وہ بہت فرماں بردار بچہ تھا۔ وہ کہا کرتا تھا کہ ہمیں اپنی زبان سے کسی کو تکلیف نہیں پہنچانی چاہیے۔ وہ نہ کسی پر طنز کرتا تھا نہ کسی کا مذاق اڑاتا تھا۔ وہ دوسروں کے اُلٹے سیدھے نام بھی نہیں لیتا تھا۔ اس کے لہجے میں سب کے لیے مٹھاس ہوتی تھی۔ کامران کو اُس کی دوستی پر فخر تھا۔

آج جب جاذب نے پھر حسنِ اخلاق کا انعام جیتا تو کامران نے اس سے دعوت کھلانے کی فرمائش کر دی۔ جاذب کو بھلا کہاں انکار تھا۔ طے پایا کہ کل دوپہر کا کھانا جاذب کے گھر کھایا جائے گا۔

کامران مقررہ وقت پر جاذب کے گھر پہنچ گیا۔ اس نے خوش دلی سے کامران کا استقبال کیا اور اُسے مہمان خانے میں بٹھایا۔ کچھ دیر دونوں دوست آپس میں باتیں کرتے رہے۔ اتنے میں کھانا پک کر تیار ہو چکا تھا۔ جاذب باورچی خانے سے کھانا لانے گیا۔ مہمان خانے میں بہت سے رسالے رکھے ہوئے تھے۔ کامران نے ایک رسالہ پڑھنا شروع کر دیا۔

''اُفف! بھلا کوئی اتنی مرچیں بھی ڈالتا ہے بریانی

میں!'' رسالے کا صفحے پلٹتے ہوئے کامران چونک اٹھا۔ اس نے آج پہلی دفعہ جاذب کی بلند آواز سنی تھی۔

''میں نے آج پہلی دفعہ اپنے دوست کی دعوت کی تھی اور آپ نے سارا مزہ خراب کر دیا۔'' جاذب کا لہجہ سخت تھا۔ وہ اپنی ماں سے مخاطب تھا۔ کامران بُت بنا بیٹھا یہ سب سن رہا تھا۔

''اگر آپ ڈھنگ سے بریانی نہیں بنا سکتی تھیں تو مجھے کہہ دیتیں، میں بازار سے لے آتا۔'' اس کے لہجے کی کڑواہٹ کامران محسوس کر رہا تھا۔

''بیٹا! میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے، تمھیں بتایا تو تھا۔ یہ بریانی تو عالیہ نے تیار کی ہے۔'' جاذب کی ماں بولیں۔

''میں اس چوہیا سے بھی پوچھ لوں گا۔'' جاذب نے اپنی بہن کو بُرے نام سے پکارا۔

شاید اُسے یہ خیال نہیں تھا کہ کامران اس کی ساری باتیں سن چکا ہے۔ وہ کھانا لے کر مہمان خانے میں آیا۔ دسترخوان بچھانے لگا تو کامران نے اسے روک دیا۔

''میں تم سے معذرت چاہتا ہوں۔ میں یہ کھانا نہیں کھا سکوں گا۔ تم اپنی امی سے اتنی بلند آواز میں مخاطب تھے کہ میں نے تمھاری سب باتیں سن لی ہیں۔'' کامران نے افسردہ لہجے میں کہا۔

''میں تمھیں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہمارے مال، وقت اور اچھے اخلاق پر سب سے پہلا حق ہمارے گھر والوں کا ہوتا ہے۔ انھیں اس حق سے محروم نہ کرو۔''

جاذب شرمندہ تھا۔ کامران وہاں سے جانے لگا۔

''یہ رسالہ تمھارا ہے، میں نے یہیں سے اٹھایا تھا۔ یقیناً تم نے یہ پڑھا ہوگا، لیکن اس میں ایک حدیث ہے۔ اسے دوبارہ پڑھ لینا۔'' کامران نے رسالہ اسے دیتے ہوئے کہا۔ جاذب نے رسالہ دیکھا۔ اس میں یہ حدیث مبارک جگمگا رہی تھی:

''تم میں سے بہتر وہ شخص ہے جو اپنے گھر والوں کے لیے تم میں سب سے بہتر ہے اور میں اپنے گھر والوں کے لیے سب سے بہتر ہوں۔''

(ترمذی)

جاذب نے یہ حدیث نجانے کتنی دفعہ پڑھی تھی، مگر اُس کا اثر آج دل پر ہو رہا تھا۔ کامران وہاں سے جا چکا تھا۔ جاذب کامران کو منانے جانے لگا۔ وہ ایک لمحے کے لیے رکا اور گھر کے اندرونی حصے میں داخل ہو گیا، کیوں کہ پہلا حق تو گھر والوں کا تھا۔

## بقیہ: رو بھی سکتا ہے

یہ سن کر امی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، انھوں نے احمد کو ڈھیر سارا پیار کیا۔

''ہاں میری جان! کیوں نہیں!؟''

انھوں نے کہا اور دِل میں عہد کیا کہ اب وہ ابھی اسے اتنا بڑا نہیں سمجھیں گی کہ وہ ان کے پیار کو بھی ترس جائے۔

امی نے ابو اور دادا دادی کو بھی یہ بات سمجھائی تو سب نے ان کی تائید کی۔ اس طرح احمد بھی پُر اِعتماد ہو گیا۔ اب وہ بھی سب بچوں کے ساتھ ہنسی خوشی شرارتیں بھی کرتا ہے اور چوٹ لگنے پر تھوڑا سا رو بھی لیتا ہے، مگر اَب اسے کوئی یہ نہیں کہتا کہ تم بڑے ہو، اس لیے رو نہیں سکتے اور اگر کوئی کہے ''کہ اتنے بڑے ہو کر روتے ہو'' تو وہ جواب میں کہتا ہے:

''جی نہیں، میں بھی ابھی چھوٹا ہی ہوں۔''

اب احمد بہت خوش ہے۔

# ذوقِ معلومات (۱۷) کا درست جواب

☆ جلال الدین محمد اکبر

## بقیہ: نئے لکھاری

گیارہ کروڑ کی آبادی کے اس ترقی یافتہ ملک کے اندر ایک سال کے قلیل عرصے میں کتابوں کے فروخت کی شرح اسّی کروڑ کے لگ بھگ ہے۔ یہی وہ عمل ہے جس نے جاپان کو ترقی یافتہ ممالک کی فہرست میں نمایاں مقام پر کھڑا کر دیا ہے۔ مختلف آفاقی اور غیر آفاقی آفات کی زد میں رہنے کے باوجود بھی جدیدیت کے اس دور میں جاپان نے کئی ممالک کو پس پشت ڈال کر یہ ثابت کر دیا ہے کہ جو قوم کتاب اور علوم سے آشنا ہو اُسے کوئی بھی ذلت اور پستی میں نہیں دھکیل سکتا۔

علم کا ذوق، عمل کا شوق بڑھانے والا بچوں کا رسالہ

# ماہ نامہ ذوق و شوق کراچی

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ العالی
کی زیر سرپرستی الحمدللہ گزشتہ ۱۵ برس سے مسلسل شائع ہو رہا ہے۔

اس شمارے میں بچوں/بچیوں کے لیے تعلیم، تربیت اور تفریح سے بھرپور مواد ہوتا ہے، جس کا بچوں/بچیوں کو انتظار رہتا ہے۔ یہ رسالہ بچوں کے ادب میں ایک منفرد مقام رکھتا ہے اور ملک میں شائع ہونے والے بچوں کے رسالوں میں ایک امتیازی شان کا حامل ہے۔

اگر آپ اپنے بچوں/بچیوں کو فی زمانہ چھوٹی بڑی اسکرین سے بچانے کے لیے کسی متبادل کی تلاش میں ہیں تو ماہ نامہ ذوق وشوق کافی حد تک آپ کی امیدوں پر پورا اُتر سکتا ہے۔

اس کے لیے آپ اپنے نام، مکمل ڈاک پتے اور جس ماہ سے رسالہ جاری کروانا ہے اس ماہ کا نام لکھ کر صرف گیارہ سو (1,100/=) روپے جمع کروائیں اور ہر ماہ، ماہ نامہ ذوق وشوق گھر بیٹھے حاصل کریں۔


خط و کتاب کا پتا:
ماہ نامہ ذوق وشوق، کراچی
پی۔او۔بکس نمبر: 17984
گلشن اقبال، کراچی۔
پوسٹ کوڈ: 75300
ذوق شوق/Zouq shouq
zouqshouq@hotmail.com


(شمارے کی قیمت بڑھنے کی صورت میں سالانہ خریداری کی رقم میں اضافہ ہوسکتا ہے۔)

سالانہ خریداری کے لیے چار ذرائع سے آپ رقم جمع کروا سکتے ہیں:

**1** منی آرڈر کے ذریعے۔
اس کے لیے ہمارا پتا ہے: ماہ نامہ ذوق وشوق، کراچی، پی۔او۔بکس نمبر: 17984، گلشن اقبال، کراچی۔ پوسٹ کوڈ: 75300

**2** بینک اکاؤنٹ کے ذریعے۔ بینک اکاؤنٹ میں رقم جمع کروانے کے لیے ہمارا میزان بینک اکاؤنٹ یہ ہے:
اکاؤنٹ ٹائٹل: Bait ul ilm Trust Zouq o Shouq اکاؤنٹ نمبر: 0179-0103431456
(نوٹ: بینک اکاؤنٹ میں رقم جمع کروانے کی رسید آپ ہمیں اس نمبر پر (0324-2028753) واٹس ایپ کردیں۔)

**3** دستی۔
دفتر میں آکر رقم جمع کروانے کے لیے ہمارا پتا ہے: مدرسہ بیت العلم، ST-9E، نزد الحمد مسجد، گلشن اقبال بلاک ۸، کراچی
(نوٹ: دستی رقم جمع کرواتے وقت سالانہ خریداری فارم ضرور پُر کریں۔)

**4** جازکیش کے ذریعے۔
اپنی سالانہ خریداری کی رقم اس نمبر پر بھیج دیں: 0320-1292426
(نوٹ: رقم جمع کروانے کے بعد اس نمبر پر مطلع کردیں۔)

کوپن برائے

بلاعنوان ۱۷۴

نام: ______ ولدیت: ______

مکمل پتا: ______

فون نمبر: ______

کوپن برائے

ذوقِ معلومات ۷۳

نام: ______ ولدیت: ______

مکمل پتا: ______

فون نمبر: ______

سوال آدھا جواب آدھا ۲۹

نام: ______ ولدیت: ______

مکمل پتا: ______

فون نمبر: ______

کوپن برائے

انعامی سرورق فروری

نام: ______ ولدیت: ______

مکمل پتا: ______

فون نمبر: ______

ہدایات: جوابات ۲۸ فروری ۲۰۲۲ء تک ہمیں موصول ہو جانے چاہییں......☆ایک کوپن ایک ہی ساتھی کی طرف سے قبول کیا جائے گا......

☆ کمیٹی کا فیصلہ حتمی ہوگا جس پر اعتراض قابلِ قبول نہیں ہوگا۔ مقررہ تاریخ کے بعد موصول ہونے والے جوابات قرعہ اندازی میں شامل نہیں کیے جائیں گے۔

# پیارے پیارے بچوں کے لیے بیت العلم کی نئی کتابیں

## والدین و سرپرست حضرات سے گزارش

بچوں کو کہانیاں سننا اچھا لگتا ہے.... کہانیاں سننے سے ان کی صلاحیتیں بڑھتی ہیں.... بچوں کی کتابوں سے دوستی ہو جاتی ہے اور آداب سیکھنے کا موقع ملتا ہے۔

والدین اپنے بچوں کو کتاب دوست بنانے کے لیے یہ کتابیں ضرور پڑھ کر سنائیں، کتاب پڑھنے اور سمجھنے میں بچوں کی مدد بھی کریں۔

اب Playstore سے ڈاؤن لوڈ کریں۔

GET IT ON Google Play

maktababaitulilm

بیت العلم

Karachi Ph : 021-32726509
Lahore Ph : 042-37112356
www.mbi.com.pk

سلسلہ

# تحفۃ الدعاء

دعا عظیم نعمت اور انمول تحفہ ہے، دعا اللہ تعالیٰ کے قرب اور اس سے راز و نیاز کا ذریعہ ہے، دعا مایوسی میں امید کی کرن ہے، دعا کے ذریعے ہم اللہ تعالیٰ سے اپنے تمام مسائل حل کروا سکتے ہیں، اس دنیا میں کوئی بھی انسان کسی بھی حال میں دعا سے مستغنی نہیں ہوسکتا۔

اسی فکر کے پیشِ نظر "مکتبہ بیت العلم" نے تحفۃ الدعا سیریز کے نام سے ایک سلسلہ شروع کیا ہے۔
اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ! اس سیریز کے چھ حصے شائع ہو چکے ہیں۔

MaktabaBaitulilm

بیت العلم

Karachi Ph : 021-32726509
Lahore Ph : 042-37112356
www.mbi.com.pk